

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

### تقدیم

ڈاکٹر ابراہیم محمد ابراہیم

ہیڈ آف اردو ڈپارٹمنٹ، فیکلٹی آف ہیومن اسٹڈیز

از ہریونیورسٹی، نصرسٹی، قاہرہ، مصر

الحمد لله وحده والصلاة والسلام على من لا نبى بعده

أما بعد:

زیر نظر کتاب ” استشر اوراق اور مستشرقین ایک تاریخی و تنقیدی مطالعہ“

اسلام کے ایک عظیم مفکر ڈاکٹر مصطفیٰ حسنی سباعی کی کتاب ” الاستشر اوراق

والمستشرقون مالهم وما عليهم“ کا اردو ترجمہ ہے۔

کتاب اگرچہ صغیر الحجم ہے لیکن نہایت ہی معلومات افزا اور نفع بخش ہے۔

کتاب کے مؤلف نے استشر اوراق کی تعریف، اغراض و مقاصد اور متعصب مستشرقین

میں سے بعض کا بہت ہی نفیس انداز میں تعارف کرایا ہے اور جن مقامات پر استشر اوراق پر

لکھنے والے حضرات افراط و تفریط کا شکار ہوئے ہیں ان مقامات کی نشاندہی کرتے

ہوئے نہایت ہی اعتدال پسندی سے کام لیا ہے۔

### شرف انتساب

پیغمبر اسلام کے نام جن کی دعوت حق سے گم گشتگان راہ منزل کو ہدایت نصیب

ہوئی۔

ان پاکباز صحابہ کرام کے نام جو رشد و ہدایت کے ستارے ہیں۔

اسلام کے ان مفکرین کے نام جن کی انقلابی تحریروں نے تاریک دلوں کو نور

ایمان سے منور کر دیا۔

ان وارثین علم نبوت کے نام جن کا قلم ہمیشہ اسلام کی دفاع میں اٹھتا رہا ہے۔

ان متلاشیان حق کے نام جنہوں نے حق کے واضح ہوتے ہی بسروچشم تسلیم کر

لیا۔

تصوف کے ان علم برداروں کے نام جن کے روحانی میکدہ سے ہزاروں نے

اپنی تشنگی بجھائی۔

خاکسار: نور الحسن خان ازہری

عصر حاضر میں استشر اق کا موضوع وسیع سے وسیع تر ہو چکا ہے عرب دنیا میں اگرچہ یہ عام تصور ہے کہ ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی ان اولین قلم کاروں میں سے ہیں جنہوں نے استشر اق پر قلم اٹھایا ہے لیکن آپ کے بعد بھی اس موضوع پر قلم کاروں کی ایک لمبی فہرست ملتی ہے جنہوں نے اپنی تحریر کا آغاز ہی استشر اق سے کیا ہے اور اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ عصر حاضر میں فکر و نظر کے میدان میں استشر اق ایک ایسا مستقل اور دائمی موضوع بن چکا ہے جو امت مسلمہ کو ہر موڑ پر چیلنج کر رہا ہے۔

قابل مبارکباد ہیں میرے برادر عزیز استاد نور الحسن خان نعیمی (متعلم ڈپارٹمنٹ آف عقیدہ و فلسفہ، ازہر یونیورسٹی، قاہرہ، مصر) جنہوں نے اس کتاب کے ترجمہ کا انتخاب کیا۔ کیوں کہ عصر حاضر میں بہت سارے عناصر آپ کو ایسے ملیں گے جو اہل مغرب سے اس قدر متاثر ہو چکے ہیں کہ ان کی بُرائیوں اور خوبیوں کے درمیان بلا تفریق و امتیاز کے ان کی ہر بات بسر و چشم تسلیم کر لیتے ہیں اور مغربی تہذیب و ثقافت کے اس طرح دلدادہ ہو چکے ہیں کہ اس کی بُرائیاں اور خامیاں نظر ہی نہیں آتی ہیں۔ اور اسلامی تہذیب و ثقافت کو یکسر نظر انداز کرتے جا رہے ہیں یہاں تک کہ اس کی ہر خوبی خامی نظر آتی ہے بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ ہماری نئی نسل اسلامی تہذیب و ثقافت کو اپنانے میں عار محسوس کرتی ہے تو بے جا نہ ہوگا۔

یہ صحیح ہے کہ دشمنان اسلام نے اسلام کی شبیہ کو بگاڑنے میں کوئی کسر باقی نہیں رکھا ہے لیکن بحیثیت مسلم ہمارا یہ فریضہ ہے کہ ہم اپنی تہذیب و ثقافت کو عام کریں اور

اس کی خوبیوں کو دنیا کے سامنے پیش کریں۔ آخر ہم کیوں ہم اپنی تہذیب و ثقافت کی عظمت رفتہ کو واپس لانے کے لیے تدبیریں نہیں کرتے؟ کیا یہ بات ہماری آنکھیں نہیں کھولتی ہے؟ کہ جب ہمارے اسلاف اسلامی تہذیب و ثقافت اور سنت رسول ﷺ کے پابند تھے تو دنیا ان کے قدموں کو بوسہ دے رہی تھی۔ اور جب ہم سنت رسول ﷺ سے منحرف ہو گئے اور غیروں کی تہذیب و ثقافت کو اپنالیا تو پستی اور انحطاط اس طرح دامن گیر ہوئی کہ ہزاروں تدبیروں کے باوجود ترقی کے راستے مسدود نظر آتے ہیں۔

اس ضمن میں ایک بات نہایت ہی قابل توجہ ہے وہ یہ کہ جب بھی ہم اسلام اور اسلامی تہذیب و ثقافت کا دوسرے سے تعارف کراتے ہیں تو یہ بات یکسر نظر انداز کر دیتے ہیں کہ جس کے سامنے تعارف کر رہے ہیں وہ ہماری زبان کو کس حد تک سمجھتا ہے کہیں ایسا تو نہیں کہ ہمارا اسلوب اور طرز بیان موضوع کے مفہیم و معانی کے فہم و ادراک میں رکاوٹ بن رہا ہے۔ اس لیے ہم پر ضروری ہے کہ تعارف کراتے وقت ہم دونوں زبانوں پر اچھی گرفت رکھتے ہوں (خواہ وہ میدان تقریر ہو یا میدان تحریر) اور یہ کتاب اس لحاظ سے بہت ہی مفید ہوگی کہ مترجم دونوں زبانوں پر اچھی گرفت رکھتے ہیں جیسا کہ کتاب اس پر شاہد عدل ہے، اور اس لحاظ سے بھی نفع بخش ہوگی کہ برصغیر ہند و پاکستان کے اکثر باشندے اردو بولتے اور سمجھتے ہیں نیز اردو دنیا میں استشر اق کے موضوع پر ایک نئے باب کا اضافہ کرے گی کیوں کہ بہت کم ہی افراد ایسے ہیں جو اس موضوع سے دلچسپی رکھتے ہیں یا اس موضوع سے متعلق معلومات رکھتے ہیں۔

کو اس سلسلے میں مزید کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے تاکہ مستقبل میں اس طرح کے کام دونوں زبانوں میں باہمی روابط کا مضبوط ذریعہ بن جائیں۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ڈاکٹر

ابراہیم محمد ابراہیم

Head of Urdu Department,  
Faculty of Human Studies  
Al- Azhar University. Cairo,  
Egypt.

22-06-2005

میرے عزیز استاد نور الحسن خان نعیمی نے جب اس کتاب کو میرے سامنے رکھا تو مجھے انتہائی خوشی ہوئی (اور دل سے یہی دعا نکلی کہ اے میرے مولا چند اور افراد ایسے پیدا کر دے جو ہماری اسلامی عربی تراث کا اردو دنیا میں اسی انداز میں تعارف کروا سکیں) اور از ابتداء تا انتہا اردو کتاب کا عربی کتاب سے مقارنہ کیا اور بعض مقام پر مناسب اصلاح بھی کی۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ ترجمہ جہاں مترجم کی عربی عبارات پر فہم دقیق کی طرف اشارہ کرتا ہے وہیں اس پر بھی روشن دلیل ہے کہ مترجم اردو زبان میں اچھے اور سلیس پیرایہ بیان میں عربی عبارات کو منتقل کرنے کا ملکہ بھی رکھتے ہیں کیوں کہ بعض مقامات پر دوران مقارنہ ایسا محسوس ہوا کہ جملوں کے اعتبار سے بہت پیچیدہ ہیں لیکن پھر بھی مترجم نے سیاق و سباق کی روشنی میں ایسا سلیس ترجمہ کیا ہے جس سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ مترجم برسوں کا تجربہ کار ہے جب کہ بقول مترجم ”ترجمہ کے باب میں یہ ان کی پہلی کوشش ہے“۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اردو زبان و ادب کے ماہرین نے عربی تراث کی منتقلی میں بہت ہی نمایاں اور گرانقدر کارنامہ انجام دیا ہے لیکن اس موضوع پر استاد نور الحسن خان نعیمی لائق مبارکباد ہیں جنہوں نے اردو دنیا کو استثنیٰ اور اس کے خطرات سے آگاہ کرنے کی کوشش کی ہے۔

فضل مولیٰ سے امید ہے کہ اردو دنیا میں اس کام کی پذیرائی ہوگی اور موضوع اپنی جدت کی وجہ سے دور رس اثرات چھوڑے گا۔ اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ مترجم

## بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

### مقدمہ مترجم

الحمد لولیه والصلاة والسلام علی نبیه وعلی آله وصحبہ

أجمعین

أما بعد:

اللہ تبارک وتعالیٰ قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے ”إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ“ (بیشک اللہ کے یہاں اسلام ہی دین ہے۔ کنز الایمان) اسلام کی ضیاء بار کرونوں نے ہی لوگوں کے دلوں سے کفر و شرک کی تاریکیوں کو ختم کیا اور اپنی حقانیت کا جھنڈا مشرق و مغرب میں لہرایا لیکن مخالفین اسلام کو یہ برداشت نہ ہوا اور اسلام کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے، غیر تو غیر ادیان سماویہ کے متبعین بھی ایڑی چوٹی کا زور لگانے لگے۔ ایک زمانہ تھا کہ جب دشمنان اسلام نے اسلام کو مٹانے کیلئے جنگی قوتوں کا سہارا لیا تھا۔ جنگی قوت و طاقت نے جب صلیبی جنگ کا روپ دھارا تو مجاہدین اسلام کی تلواریں ایسی بے نیام ہوئیں کہ ساری قوتوں کا خاتمہ ہو گیا۔

جب یہودی اور عیسائی قوت و طاقت کے بل بوتے پر اسلام کو زیر نہ کر سکے تو اسلام کے خاتمہ کے لئے مکرو فریب کا ایک نیا جال بچھانے کی کوشش میں لگ گئے اور

اسلامی افکار و نظریات اور تاریخ و ثقافت کی تحقیقات کے نام پر اپنے پیشواؤں کو اس میدان میں لا کر کھڑا کر دیا تاکہ اسلام کے بے داغ اور شفاف چہرے کو داغدار بنا کر پیش کرنا آسان ہو جائے۔ اور اسلام پر ہر زاویے سے حملہ کیا جاسکے۔

تحقیقات کی اس ابتداء سے افکار و نظریات کی ایسی جنگ چھڑتی ہے جو اب تک چلی آرہی ہے اور انہیں تحقیقات کے پس پردہ استشراق کا جنم ہوتا ہے یہودی اور عیسائی پیشواؤں کے ذریعہ اسلامی افکار و نظریات کی تحقیقات کا جو عمل شروع ہوا تھا وہ آج مشرق میں موجودہ تمام ادیان کی تحقیقات پر محیط ہو چکا ہے۔

استشراق اور مستشرقین اسی سلسلے کی ایک مضبوط کڑی ہے جو یہودیت اور عیسائیت کا سنگم ہے۔ کیوں کہ تاریخ کا جائزہ لینے کے بعد یہی حقیقت واضح ہوتی ہے کہ مستشرقین کی اکثریت یہودی اور عیسائی پیشواؤں کی ہے، عصر حاضر میں اگرچہ دونوں مذہب کے پیشواؤں کا طریقہ کار مختلف ہو چکا ہے لیکن یہ مقصد اصلی (اسلام کی نیخ کنی) کو ایک لمحہ بھی نظر انداز نہیں کرتے ہیں خواہ وہ اسلامی تراث کی تحقیقات کے نام پر استشراتی تحریک ہو یا خدمت انسانی کی نمائش کے نام پر تبشیر (مشنری) کا جال ہو، ہر جگہ استشراتی اور تبشیری روح کار فرما ہوتی ہے۔

مغربی سیاستدانوں نے جہاں اسلامی سلطنتوں کو توڑا وہیں مغربی مفکرین اور مستشرقین نے اسلامی تراث کی تحقیقات کے نام پر اسلام کی اعلیٰ اقدار و روایات، تہذیب و ثقافت اور اسلام کی معاشرتی، سیاسی اور اقتصادی تعلیمات کا چہرہ ایسا مسخ

کر کے پیش کیا کہ جو سراسران کی کوتاہ نظری کا آئینہ دار ہے۔ مستشرقین نے اسلامی تاریخ اور شخصیات اسلام پر ایسی بے بنیاد اور لغو باتیں چسپاں کی ہیں جو کہ ایک منصف محقق کو کسی بھی صورت میں زیب نہیں دیتا ہے۔ قرآن کریم اور احادیث طیبہ کی ایسی غلط تشریحات کی ہیں کہ مشرق کے بڑے بڑے مفکرین و محققین، امراء اور رؤساء انہیں ایک حقیقت سمجھ کر مستشرقین کے دام تزیور میں پھنس گئے۔

ڈاکٹر مصطفیٰ حسنی سباعی کی تالیف کردہ کتاب ”الاستشراق و المستشرقون ما لهم وما عليهم“ (جس کا نام میں نے اردو ترجمہ کے بعد ”استشرق اور مستشرقین ایک تاریخی و تنقیدی مطالعہ“ رکھا ہے) مستشرقین کی من مانی تحقیقات کا ایسا پردہ فاش کرتی ہے کہ مستشرقین کے گرو گھنٹال بھی بے نقاب نظر آتے ہیں۔ کتاب صغیر اکھم ہونے کے باوجود اپنی جامعیت میں جواب نہیں رکھتی ہے اور یہی سبب ہے کہ عرب دنیا میں اسے ایک مرجع کی حیثیت سے تسلیم کیا جاتا ہے۔

کتاب کے مصنف ڈاکٹر مصطفیٰ حسنی سباعی کی شخصیت بہت معروف ہے آپ ایک محقق عالم تھے۔ آپ نے ہمیشہ اپنی تحریروں میں غیر جانبدار ہو کر علمی اور تحقیقی اسلوب اختیار کیا ہے جیسا کہ آپ کی یہ کتاب خود اس پر بین دلیل ہے۔

### مؤلف ایک نظر میں

موقع کی مناسبت اس بات کی متقاضی ہے کہ مؤلف کی حیات و خدمات کے اہم گوشوں پر روشنی ڈال دی جائے تاکہ قارئین کرام مؤلف کی علمی، سیاسی، تصنیفی، تبلیغی

اور معاشرتی خدمات سے روشناس ہو سکیں اور مؤلف کی علمی شخصیت مکمل طور پر سامنے آ سکے۔

آپ کا نام نامی ”مصطفیٰ حسنی سباعی“ ہے ۱۳۳۴ھ مطابق ۱۹۱۵ء میں آپ کی ولادت باسعادت شام کے مشہور تاریخی شہر حمص میں ہوئی۔ آپ کی پرورش ایک ایسے علمی گھرانے میں ہوئی جو صدیوں تک لوگوں کی ہدایت و رہنمائی کا مرکز بنا رہا۔ آپ کے والد گرامی حمص کے چند مشہور علماء میں سے ایک تھے جو حمص کے جامع مسجد میں خطیب و امام کے عہدے پر فائز تھے۔

آپ نے اپنی تعلیم کا آغاز قرآن مقدس کے حفظ سے کیا، اور ۱۹۳۰ء میں امتیازی نمبر سے ”ثانویہ“ کی سند حاصل کی۔ آپ کو ایک آفاقی شخصیت بنانے میں اگر ایک طرف مدرسہ کی تعلیم رہی تو دوسری طرف ان علمی مجلسوں کا ایک ناقابل فراموش کردار ہے جو آپ کے والد گرامی کی سرپرستی میں مشہور علماء حمص کی شرکت سے سجا کرتی تھیں، جن میں تشنگان علوم و فنون جوق در جوق آکر اپنی تشنگی بجھایا کرتے تھے۔

جب لوگ آپ کی عمر اور آپ کی باتوں کا موازنہ کرتے تھے تو یہی کہتے تھے کہ ہے تو بچہ لیکن باتیں بہت اونچی کرتا ہے۔

ملک شام کے سامراجی ماحول اور قوم کے دینی اور سیاسی اختلافات نے آپ کی عقل و شعور کو وہ پختگی بخشی کہ ۱۶ برس کی عمر میں آپ نے ۱۹۳۱ء میں شام کے

شہروں میں عیسائی تبلیغ کے لیے قائم کردہ مدارس کی بیخ کنی کے لیے ایک خفیہ تنظیم کی بنیاد ڈالی۔ فرانسیسی سامراج کے خلاف اگر ایک طرف سیاسی مجلسوں میں آپ کی زبان کام کرتی تھی تو دوسری طرف سیاسی اخبارات میں آپ کا قلم تلوار کا کام کرتا تھا، اور ملک شام کے چپے چپے میں سامراجیت کا جال بچھانے والا فرانس یہ کب برداشت کرتا، اس لیے فرانسیسی سامراج نے آپ کو ۱۶ برس کی ننھی سی عمر میں جیل کی سلاخوں کے پیچھے ڈال دیا۔ لیکن عوام کے مسلسل مظاہروں نے سامراجیوں کو اپنے فلک شگاف نعروں سے ایسا دہلا دیا کہ چند ہی دنوں میں آپ کو رہا کر دیا گیا۔

آپ اپنے والد گرامی کی عدم موجودگی میں ان کی نیابت فرماتے تھے۔ آپ کی تقریر بہت ہی جوشیلی اور ولولہ انگیز ہوتی تھی خصوصاً حکومت کے خلاف تو شعلہ جوالہ کا کام کرتی تھی۔ چنانچہ پھر آپ کو اپنی حکومت مخالف تقریر کے جرم میں ۱۹۳۲ء میں جیل کا دروازہ دیکھنا پڑا۔

۱۹۳۳ء میں آپ نے مصر کا سفر کیا اور شہرہ آفاق اسلامی یونیورسٹی ”جامعة الأزهر الشريف“ کے شعبہ فقہ میں داخلہ لیا لیکن آپ کو یہ شعبہ راس نہ آیا اس لیے ”جامعة الأزهر“ ہی کی ایک فیکلٹی ”أصول الدين“ میں منتقل ہو گئے اور ایم۔ اے۔ کی ڈگری حاصل کی۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ کو ایسی ذہانت و فطانت اور فہم و ذکا عطا کی تھی کہ آپ جہاں بھی رہے آپ کی ایک امتیازی شان رہی۔

جب آپ مصر تشریف لائے تو بھی آپ کی جوشیلی تقریروں کا سلسلہ بند نہ

ہوا بلکہ یہاں کی مجلسوں، محفلوں اور احباب کے حلقوں میں اکثر و بیشتر ہوتی رہیں جس کے نتیجے میں انگریزی حکومت نے پھر آپ کو گرفتار کیا۔ جب آپ کو اس مرتبہ رہائی ملی تو ۱۹۴۱ء میں پھر آپ کو ایک خفیہ تنظیم کے قیام کے جرم میں گرفتار کر لیا گیا۔ جب آپ کی گرفتاری کو دو ماہ ہو گئے تو مصر میں مقیم برٹش فوج نے آپ کو فلسطین میں مقیم اپنی برٹش فوج کے حوالے کر دیا اور چار ماہ بعد آپ کو رہائی کا پروانہ مل گیا۔ آپ رہائی کے بعد اپنے شہر واپس ہوئے اور فرانسیسی سامراج کے خلاف سیاسی جدوجہد میں مصروف ہو گئے۔ جب آپ کی سیاسی سرگرمیوں سے سامراج کو خطرہ لاحق ہونے لگا تو سامراجی فوج نے پھر آپ کو گرفتار کر لیا اور بیروت منتقل کر کے لبنان کے قلعہ ”راشیا“ میں قید کر دیا۔ اس گرفتاری میں آپ نے بہت ساری مصیبتوں کا سامنا کیا۔ بھوک و پیاس کی شدت بھی برداشت کی اور طرح طرح کی سزاؤں سے بھی آپ کو گذارا گیا لیکن ان تمام تر صعوبتوں کے باوجود اسلامی غیرت و حمیت اور حب الوطنی آپ کے دل میں شعلہ زن رہی اور آپ نے لبنانی جیل کو اپنی قیمتی نصیحتوں، لکچرز اور عبادت و ریاضت کی محفلوں سے ایک اسلامی قلعہ بنا دیا۔ قیدیوں کے دلوں میں ایسی اسلامی روح پھونکی کہ سب آپ پر جان نچھاور کرنے لگے اور اسلام کی ایک ایسی شمع روشن کی کہ سارا قلعہ ظلمت کدہ کے بجائے بقعہ نور بن گیا۔

جب آپ قید و بند کی صعوبتوں سے آزاد ہو کر اپنے شہر واپس ہوئے تو ملک شام میں فرانسیسی سامراج اور فلسطین میں انگریزی اور یہودی قبضہ کے خلاف کمر بستہ

ہو گئے اور شامی عوام کو ایک بار پھر ان کے خلاف اپنی ولولہ انگیز تقریروں سے ابھارا۔ آپ نے شام و فلسطین کو فرانسیسیوں اور یہودیوں کے ناپاک چنگل سے آزاد کرانے کے لیے اپنا خون و پسینہ ایک کر دیا۔ آپ کی پوری توجہ ملک کے سیاسی حالات پر مرکوز ہو گئی اور مصر سے آپ کا تعلیمی سلسلہ منقطع ہو گیا۔ لیکن مجلسوں کی زینت بننے والا مرد مجاہد گھر میں بیکار بیٹھنا کب گوارہ کرتا، اس لیے آپ ۱۹۴۲ء میں شہر ”حمص“ میں ”ثانویہ“ کے استاذ ہو گئے کچھ ہی عرصہ گزرا تھا کہ آپ شام کی دار الحکومت دمشق منتقل ہو گئے اور اپنے مخلص احباب کی جدوجہد سے ”المعهد العربي الاسلامي“ کی بنیاد ڈالی۔ آپ کی پیہم کوششوں سے شام کے متعدد مشہور شہروں درعا، حمص، ادلب اور حلب وغیرہ میں اس کی کئی شاخیں قائم ہو گئیں۔

آپ نے سیاسی سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ قوم و ملت کی فلاح و بہبود اور غرباء و مساکین کی امداد کے لیے کئی تنظیموں کی بنیاد ڈالی۔ ”الرابطۃ الدینیۃ“ ”جمعیۃ شباب محمد“ اور ”جمعیۃ شبان المسلمین“ آپ ہی کی قائم کردہ تنظیمیں ہیں۔ آپ نے ملک بھر میں فقراء و مساکین کی حاجت روائی کے لیے کئی کمیٹیاں قائم کیں جو زکوٰۃ و صدقات جمع کرتی تھیں اور مستحقین میں تقسیم کرتی تھیں۔

۱۹۴۵ء میں آپ نے اپنے آبائی شہر ”حمص“ میں فرانسیسی سامراج کے خلاف مسلح انقلابیوں کی قیادت کرتے ہوئے سب سے پہلی فائرنگ کی اور فرانسیسی سامراج کے خلاف لاکھوں مظاہرین کی قیادت کی باگ ڈور سنبھالی۔ ۱۹۴۶ء میں

فرانسیسی سامراج کے انخلاء میں ایسا زبردست کردار ادا کیا کہ شامی تاریخ آج بھی گواہ ہے صفحات تاریخ پر آج بھی ثبت ہے۔

۱۹۴۸ء میں جنگ فلسطین میں شام میں ”اخوان المسلمین“ کے مجاہدین کی سپہ سالاری کرتے ہوئے ایک لشکر جرار لے کر پہونچ گئے اور قبلہ اول کی بازیابی کے لیے مجاہدین کے دوش بدوش لڑتے رہے اور اپنی شجاعت و بہادری کے جوہر دکھاتے رہے۔ اس جنگ میں آپ نے جو عظیم کارنامہ انجام دیا ہے اسے فراموش نہیں کیا جا سکتا۔

لوگوں کی نظروں نے جنگ فلسطین میں آپ کو ایک عظیم مجاہد اور سپہ سالار کے روپ میں بھی دیکھا ہے اور ۱۹۴۹ء میں شام میں ایک عظیم سیاستداں کی شکل میں بھی دیکھا ہے۔ شام کی راجدھانی دمشق سے آپ نے پہلی بار الیکشن میں حصہ لیا اور ایسی زبردست اکثریت حاصل کی کہ سارے سیاستداں مبہوت و ششدر رہ گئے اور اسی سال آپ نے اپنی خدمات کے بل بوتے پر پارلیمنٹ کی رکنیت حاصل کر لی۔

۱۹۴۹ء میں آپ نے ”جامعة الأزهر“ سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی آپ کے مقالے کا موضوع ”السنة و مكانتها في التشريع الاسلامي“ تھا۔ اس رسالے میں آپ کا علمی جوہر جگہ جگہ نظر آتا ہے۔ دلائل و براہین کے ایسے انبار لگا دیے ہیں کہ مستشرقین حیران و ششدر رہ گئے جب آپ کا یہ رسالہ کتابی شکل میں منظر عام پر آیا تو عرب دنیا میں اس کتاب کو زبردست مقبولیت حاصل ہوئی۔ اس کی

مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ عرب دنیا میں اب تک اس کے متعدد ایڈیشن نکل چکے ہیں۔ ڈاکٹر مصطفیٰ حسنی سباعی کے تعارف کے لیے صرف ان کی اس کتاب کا نام ہی کافی ہے۔ مستشرقین کی طرف سے احادیث نبویہ پر کئے گئے اعتراضات کی رد میں ایسی لاجواب کتاب ہے جو اپنی مثال آپ ہے۔ ڈاکٹر موصوف نے مستشرقین اور ان کے تلامذہ کی ایسی سخت گرفت فرمائی ہے کہ آج تک ان سے جواب نہ بن پڑا۔ اس کتاب کے بارے میں سوانح نگاروں کا جملہ ملاحظہ ہو ”قل نظیرہ فی کل ما کتب فی الدفاع عن السنة النبویة“

”احادیث نبویہ کی دفاع میں تالیف کی گئیں کتابوں میں اسکی نظیر کم ہی ہے۔“

۱۹۵۰ء میں آپ کو دمشق یونیورسٹی میں ”کلیۃ الحقوق“ میں پروفیسر مقرر کیا گیا اور رفتہ رفتہ آپ اس فیکلٹی کے ہیڈ ہو گئے اور ۱۹۵۵ء میں آپ نے دمشق یونیورسٹی میں ”کلیۃ الشریعة“ (Faculty of Islamic Law) کی بنیاد ڈالی۔

۱۹۵۶ء میں دمشق یونیورسٹی نے آپ کو ایک وفد کے ساتھ یورپ کی یونیورسٹیوں میں دی جانے والی اسلامی تعلیمات کے نصاب کی معلومات کے لیے یورپ بھیجا۔ آپ کا یہ سفر بہت ہی تاریخی سفر تھا۔ اس سفر نے آپ کو بہت ساری معلومات اور تجربات دیے۔ آپ نے یورپ کے اکثر شہروں کی یونیورسٹیوں کا دورہ کیا جن میں سے چند مشہور شہروں کا نام ذکر کیا جاتا ہے۔ ترکی، اٹلی، برطانیہ، ہالینڈ، انگلینڈ، ڈنمارک، ناروے، فرانس اور جرمنی وغیرہ وغیرہ۔

ڈاکٹر موصوف کی شخصیت ایک ہمہ جہت شخصیت تھی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت ساری خوبیوں کا پیکر بنایا تھا۔ موصوف نے فکر و صحافت میں بھی ایک نمایاں کارکردگی انجام دی ہے۔ اسلامی فکر کی نشر و اشاعت اور قوم کی توجیہ و اصلاح کے لئے صحافت کو ایک ہتھیار کی طرح استعمال کیا۔ ۱۹۴۷ء میں آپ نے ماہنامہ ”المنار“ کی بنیاد ڈالی اور ۱۹۵۵ء میں آپ نے ”الشہاب“ نامی ہفتہ وار اخبار نکالنا شروع کیا، لیکن یہ اخبار ۱۹۵۸ء میں بند ہو گیا۔ ۱۹۵۵ء ہی میں ”المسلمون“ نامی رسالہ جاری کیا اور بعد میں آپ نے اس رسالہ کا نام بدل کر ”حضارة الإسلام“ رکھا۔

ڈاکٹر موصوف ان گنت خوبیوں کے مالک تھے۔ لوگوں کی آنکھوں نے انہیں ایک شعلہ بار خطیب کے روپ میں مسجدوں اور مظاہروں میں بھی دیکھا ہے اور یورپ کی یونیورسٹیوں میں ایک مبلغ اسلام اور مستشرقین کے ساتھ ایک مناظر کی شکل میں بھی دیکھا ہے۔ کبھی انہیں شام و فلسطین میں انگریزی حکومتوں کا تختہ پلٹنے ہوئے ایک مجاہد کی صورت میں دیکھا ہے تو کبھی انہیں ”جامعة الأزهر“ کی علمی مجلسوں کی سرپرستی کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ موصوف نے تصنیفی، تبلیغی، سیاسی، اور صحافتی ہر میدان میں ایک نمایاں کردار ادا کیا ہے۔

جب آپ اپنے علمی سفر سے واپس ہوئے تو ۱۹۵۷ء میں ایسی بیماری میں مبتلا ہوئے کہ جس میں آپ کے جسم کا بائیں حصہ شل ہو گیا اور آخری زیست تک اس



بیماری سے نجات نہ پاسکے۔

آہ! فکر و قلم کا وہ آفتاب، اسلام کا نقیب اور شامی مجاہدین کی قیادت کرنے والا سپہ سالار ۲۷ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۴ھ مطابق ۳ اکتوبر ۱۹۶۴ء بروز سنہ پنج شام کی دھرتی پر غروب ہو گیا۔ آپ کے وصال کی خبر جنگل کی آگ کی طرح پورے عالم عرب میں پھیل گئی۔ ایک طرف سیاستدانوں کا ہجوم تھا تو دوسری طرف علماء و مفکرین کی جماعت تھی۔ جانے والا تو چلا گیا لیکن ساری محفلوں کو خاموش کر گیا۔ سیاستدانوں کو افسوس تھا کہ پارلیمنٹ کے ایوانوں میں گرجتی ہوئی تقریریں کون کرے گا۔ علماء و مفکرین آہ و فغاں کر رہے تھے کہ ہماری علمی مجلسیں سونی ہو گئیں۔ اب اعداء اسلام کی سرکوبی کون کرے گا۔ ملک شام کے درود یوار رور ہے تھے کہ آہ ہمیں سامراجی چنگل سے آزاد کرانے والا نجات دہندہ چلا گیا اور فقراء و مساکین ماتم کناں تھے کہ ہمارے دیکھ بھال کرنے والا نہ رہا۔ ہر چہار جانب غم و اندوہ کا سماں قائم تھا اس طرح ایک بہت بڑے انسانی ازدھام کے درمیان آپ کو سپرد خاک کیا گیا۔ (إنا لله وإنا إليه راجعون)

موصوف نے اپنی سیاسی اور تبلیغی مصروفیات کے باوجود ایسی علمی اور تحقیقی تصانیف چھوڑی ہیں کہ جو آج بھی عالم عرب میں قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں۔

کتابوں کے اسماء درج ذیل ہیں:

(۱) السنة ومكانتها في التشريع الإسلامي -

(۲) المرأة بين الفقه والقانون۔

(۳) اشتراكية الإسلام۔

(۴) من روائع حضارتنا۔

(۵) أخلاقنا الاجتماعية۔

(۶) دعوة الإسلام واقعية لا خيال۔

(۷) الإخوان المسلمون في حرب فلسطين۔

(۸) أحكام الصيام و فلسفته في ضوء القرآن والسنة۔

(۹) هذا هو الإسلام۔

(۱۰) عظماءنا في التاريخ۔

(۱۱) الاستشراق والمستشرقون ما لهم وما عليهم۔

(۱۲) السيرة النبوية دروس و عبر۔

(۱۳) شرح قانون الأحوال الشخصية۔

(۱۴) هكذا علمتني الحياة۔

(۱۵) القلائد من فرائد الفوائد۔

(۱۶) دروس في دعوة الإخوان المسلمين۔

(۱۷) الصراع بين العقل والقلب۔

یہ رہے کتاب اور صاحب کتاب سے متعلق چند سطور جو میں نے اپنی معلومات

کے مطابق تحریر کی۔

اب ایک آخری بات اس موقع پر ذکر کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ اس کتاب کے ترجمہ کا محرک کون ہے، اور کس طرح یہ ترجمہ منظر عام پر آ رہا ہے؟ ماہ نومبر ۲۰۰۳م میں راقم الحروف نے جب بغرض تعلیم مصر کا سفر کیا تو مخلص و محترم محب گرامی حضرت علامہ اسید الحق محمد عاصم القادری بدایونی کے ساتھ رہنے کا اتفاق ہوا، آپ نے ایک دن دوران گفتگو مجھ ناچیز کو مشورہ دیا کہ جب آپ تعلیم سے فارغ ہوں تو ترجمہ وغیرہ کا کام کرتے رہیں۔ میں نے فوری طور پر ان کا یہ مشورہ قبول کیا اور اخیر میں اس کتاب کے ترجمہ پر اتفاق ہوا۔ اور جوں ہی مجھے فرصت ملتی میں اس کتاب کے ترجمہ میں لگ جاتا اس طرح تسوید و تبیض کے مراحل سے گذر کر ۲۰۰۵م میں ترجمہ مکمل ہو گیا۔ لیکن اسباب و وسائل کی قلت کی وجہ سے یہ ترجمہ کتابی شکل میں منظر عام پر نہ آ سکا۔ ماہ مارچ ۲۰۰۸م میں جب مصر سے واپسی ہوئی تو بغرض اشاعت ترجمہ ساتھ میں لے آیا ابھی میں تردد ہی میں تھا کہ کسی سے بات کروں حسن اتفاق کہ میرے محسن و کرم فرماناظر اہل سنت علامہ عبدالستار صاحب قبلہ ہمدانی نے بغرض ترجمہ و تالیف ”مرکز اہل سنت برکات رضا، پور بندر، گجرات“ بلا لیا اور میں آپ کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے حاضر آ گیا۔ پھر دوران قیام میں نے آپ سے اس ترجمہ کی اشاعت پر گفتگو کی تو آپ نے فوری طور پر کمپوزنگ کا حکم دے دیا یہ کہتے ہوئے کہ میں بھی اس کا مطالعہ کرنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ ایک نسخہ آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا اور جب آپ مطالعہ سے فارغ ہوئے تو کئی

ایک مفید مشورے سے نوازا اور سراہتے ہوئے اس طرح کی تحریکوں پر مزید کام کرنے کی دعادی (اللہ تعالیٰ علامہ ہمدانی صاحب قبلہ کا سایہ امت مسلمہ پر دراز کرے اور مرکز اہل سنت برکات رضا، پور بندر کے اشاعتی کاموں کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اور جماعت اہل سنت کو تمام آفات سے محفوظ فرمائے۔) آمین

بہت بڑی نا انصافی ہوگی اگر میں اس موقع پر اپنے عزیز و مکرم علامہ جلال رضا صاحب قبلہ (ریسرچ اسکالر فلسفہ اسلامیہ، کلیۃ دارالعلوم، قاہرہ، مصر) کا شکریہ نہ ادا کروں جنہوں نے اس ترجمہ کی تصحیح میں اپنا قیمتی وقت عطا کیا، اور محبت و مشفق علامہ انوار احمد خان بغدادی کا جنہوں نے اس ترجمہ پر نظر ثانی کیا۔ اور ساتھ ہی ممنون و مشکور ہوں اپنے ان محسنوں کا جن کی کد و کاوش سے میں اس منزل تک پہنچا، اللہ تعالیٰ ان سب کی عمروں میں برکتیں عطا فرمائے۔ آمین

## نور الحسن خان نعیمی ازہری

ریسرچ اسکالر فلسفہ اسلامیہ، کلیۃ دارالعلوم

قاہرہ یونیورسٹی، قاہرہ، مصر

مقیم حال: مرکز اہل سنت برکات رضا، پور بندر، گجرات،

انڈیا۔

## استشراق اور مستشرقین

استشراق اور مستشرقین یہ ایک ایسا علمی موضوع ہے جس کے بارے میں کسی بھی مصنف یا رائٹر نے کوئی ایسا علمی کارنامہ نہیں انجام دیا ہے جو استشراق کی تاریخ، اس کے اغراض و مقاصد اور اس کی اچھائیوں اور برائیوں کا پتہ دے سکے اور نہ ہی اب تک مستشرقین کی جماعت، ان کی سرگرمیوں اور ان کی کتابی و تحقیقاتی خامیوں پر بہت زیادہ علمی اور معلوماتی روشنی ڈالی گئی ہے جس سے بہ آسانی ان کی حقیقت کا علم ہو سکے ہاں اگر کوئی کتاب اس موضوع پر آئی بھی تو یا تو ان کی تعریف و توصیف کی ترجمان بن کر منظر عام پر آئی یا پھر مستشرقین کے مشنری اور سامراجی اغراض و مقاصد کو اجاگر کرتی ہوئی نظر آئی۔ مثلاً استاذ نجیب العقیقی کی کتاب ”المستشرقون“ ہی ملاحظہ فرمائیں جو مستشرقین کی مدح و ثناء سے پر نظر آتی ہے۔ البتہ اس سلسلے میں ازہر یونیورسٹی کے اسلامک کلچر کے جنرل ڈائریکٹر پروفیسر ڈاکٹر محمد البھی کا وہ عظیم الشان اور قیمتی لکچر بہت ہی علمی اہمیت کا حامل ہے جو انہوں نے ازہر کے عام لکچر ہال میں پیش کیا ہے۔

بعض حضرات ایسے بھی آپ کو نظر آئیں گے جنہوں نے مستشرقین پر حد سے زیادہ اعتماد کر لیا اور ان کی کوششوں کی بے جا تعریف بھی کرنے لگے جو حضرات مستشرقین کے افکار و خیالات سے متاثر ہوئے ہیں ان میں ڈاکٹر طہ حسین کا بھی

نام آتا ہے جو ہماری موجودہ ادبی تاریخ میں مستشرقین کے اولین شاگردوں میں سے شمار کئے جاتے ہیں۔ چنانچہ وہ اپنی کتاب ”الأدب الجاہلی“ میں رقم طراز ہیں:

”وکیف تتصور أستاذنا للأدب العربي لايلم ولا ينتظر أن یلم بما انتهی إلیه الفرنج (المستشرقون) من النتائج العلمية المختلفة حين درسوا تاریخ الشرق و أدبه ولغاته المختلفة، وإنما یلتمس العلم الآن عندهؤلاء الناس، ولا بد من التماسه عندهم حتی یتاح لنا نحن أن ننهض علی أقدامنا و نظیر بأجنتنا و نسترد ما غلبنا علیه هؤلاء الناس من علومنا و تاریخنا و آدابنا“

”آپ ایسے شخص کو عربی ادب کا پروفیسر کیسے تصور کر سکتے ہیں جو مستشرقین کے ان مختلف علمی اور تحقیقی نتائج سے نا آشنا ہو جس کو کہ انہوں نے مشرق کی تاریخ و ادب اور اس کی مختلف زبانوں کے مطالعے کے بعد پیش کیا ہے۔ باوجودیکہ علم ابھی انہیں لوگوں میں منحصر ہے اور ان کے سامنے ہمیں زانوئے ادب تہہ کرنا نہایت ضروری ہے تاکہ ہم خود اپنے پیروں پر کھڑے ہو سکیں، اور اپنے بازوؤں کے بل بوتے پر پرواز کر سکیں اور اپنے چھینے ہوئے علوم و تاریخ اور ادب کو ان سے واپس لے سکے۔“

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اس کلام نے اس فکری غلامی اور محکومیت میں ایک مثبت کردار ادا کیا ہے جس سے کہ ہم اپنے جدید علمی اور فکری ترقی کے آغاز ہی میں

گذر چکے ہیں اور یہ فکری غلامی ڈاکٹر طہ حسین کی اسی کتاب ”الأدب الجاهلی“ میں جا بجا نظر آتی ہے کیوں کہ وہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف غالی اور متعصب قسم کے مستشرقین کے افکار و نظریات کی ایک مخلصانہ تائید کے سوا کچھ نہیں ہے۔ ڈاکٹر طہ حسین کی علمی خیانت کی اس سے بڑھ کر دلیل اور کیا ہو سکتی ہے کہ ڈی، ایس، مرگولیوٹھ *D.S. Margoliouth* جیسے مستشرق کے افکار و نظریات کو اپنی کتاب ”الأدب الجاهلی“ میں اپنی طرف منسوب کر لیا ہے اس لیے کہ اس کتاب میں کوئی ایسی نئی فکر نہیں پیش کی گئی ہے جو مستشرقین کے افکار و خیالات سے جدا ہو اور نہ ہی کوئی علمی اور تحقیقی بحث ملتی ہے جو خود ان کے افکار و خیالات کا آئینہ دار ہو یا ان کی علمی جدوجہد کا نتیجہ ہو۔

اور ایسا ہی حال استاد احمد امین کا بھی ہے اس سلسلے میں ان کی دو کتابیں قابل ذکر ہیں۔ (۱) ”فجر الإسلام“ اور (۲) ”ضحی الإسلام“ فجر الاسلام کی فصل ”حدیث“ میں جو انہوں نے مستشرقین کے افکار و نظریات کو چرا کر اپنی طرف منسوب کیا ہے اس کو میں نے بہت ہی شرح و بسط کے ساتھ اپنی کتاب ”السنة و مكانتها في التشريع الإسلامي“ میں بے نقاب کیا ہے۔

اور اسی صف میں ڈاکٹر علی حسن عبدالقادر کا نام بھی آتا ہے جنہوں نے مستشرقین کے افکار و نظریات کی اشاعت میں بہت ہی جدوجہد کیا ہے۔ ”نظرة عامة في تاريخ الفقه الإسلامي“ نامی ان کی ایک کتاب ہے جو مشہور زمانہ

مستشرق ”گولڈزیہر *Gold Zihhar*“ کی دو کتابوں (۱) ”در اسات إسلامية“ اور (۲) ”العقيدة و الشريعة في الإسلام“ کا حریف ترجمہ ہے جس میں ڈاکٹر طہ حسین اور استاذ احمد امین کی طرح انہوں نے بھی مستشرقین اساتذہ کے افکار و نظریات کو ان کی طرف منسوب کرنے کے بجائے اپنے کھاتے میں ڈال لیا ہے۔

ڈاکٹر علی حسن عبدالقادر اس وقت لندن میں ”المركز الثقافي الإسلامي“ کی ادارت کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ ہمارے اور ان کے مابین ایک واقعہ پیش آیا تھا جس کا بیان اس وقت بہت مناسب سمجھتا ہوں کیوں کہ وہ ایسا واقعہ ہے جو بہت ہی عبرت آموز ہے اور وہی واقعہ میری کتاب ”السنة و مكانتها في التشريع الإسلامي“ کی تالیف کا باعث و محرک بھی ہے۔ واقعہ بیان کرنے سے قبل ضروری سمجھتا ہوں کہ ان کی فضیلت، خوش اخلاقی اور حق شناسی پر بھی کچھ روشنی ڈال دی جائے۔

۱۹۳۹ء کا زمانہ تھا جب ہم ”كلية الشريعة“ کے شعبہ ”الفقه و الأصول و تاريخ التشريع“ کے دوسرے اور تیسرے سال میں تھے۔ شیخ مراغی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے دور میں ”مشيخة الأزهر“ نے ڈاکٹر علی حسن عبدالقادر (آپ نے اپنی تعلیم جرمنی سے حاصل کی تھی اور ”كلية أصول الدين“ کے شعبہ تاریخ کے فارغ التحصیل تھے۔ جرمنی میں چار سال انہوں نے قیام کیا اور شعبہ فلسفہ سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی) کو تاریخ تشریع اسلامی کا استاد مقرر کیا اور وہ ہمیں درس دینے

لگے۔

میری یادداشت کے مطابق سب سے پہلے درس کا آغاز انہوں نے اپنے اس کلام سے کیا ”إني سأدرس لكم تاريخ التشريع الإسلامي ، ولكن على طريقة علمية لا عهد للأزهر بها۔ و إني أعترف لكم بأني تعلمت في الأزهر قرابة أربعة عشر عاما فلم أفهم الإسلام ولكني فهمت الإسلام حين دراستي في ألمانيا“

”آج میں آپ حضرات کو فقہ اسلامی کی تاریخ پر ایسے علمی انداز میں لکچر دوں گا کہ جس کی از ہر یونیورسٹی کو ہوا تک نہ لگی ہوگی۔ میں آپ حضرات سے اس بات کا اعتراف کرتا ہوں کہ میں از ہر یونیورسٹی میں تقریباً چودہ سال تک تعلیم حاصل کرتا رہا لیکن اسلام کو نہ سمجھ سکا، میں نے اسلام کو جرمنی میں اپنے دوران تعلیم سمجھا ہے۔“

اتنا سننا تھا کہ ہمارے سارے رفقاء درس ڈاکٹر علی حسن عبد القادر کے اس کلام سے ورطہ حیرت میں پڑ گئے اور ہم سب رفقاء نے تہیہ کر لیا کہ اب ڈاکٹر صاحب کی بات کو بہت ہی سنجیدگی اور حضور قلب کے ساتھ سماعت کرنا ہے ممکن ہے اسلام کے بارے میں ڈاکٹر صاحب نے کوئی ایسا علم سیکھا ہو جس کی از ہر یونیورسٹی کو واقعی میں ہوا تک نہ لگی ہو۔ اس لیے سارے رفقاء درس ذہن حاضر کر کے ہمہ تن گوش ہو کر ڈاکٹر موصوف کی طرف متوجہ ہو گئے۔ ڈاکٹر صاحب نے سیرت نبوی کی تاریخ سے

درس کا آغاز کیا اور اپنے ہاتھ میں ایک ضخیم کتاب لیے ہوئے تھے جو کسی کتاب کا حریف نہ تھا۔ (بعد میں ہمیں علم ہوا کہ وہ مستشرق گولڈ زیہر ”Gold Zihar“ کی کتاب ”دراسات إسلامية“ جس کی عبارت ڈاکٹر موصوف نقل کر رہے تھے اور یہ دعویٰ کر رہے تھے کہ وہ ایک علمی حقیقت ہے۔ اس طرح انہوں نے درس جاری رکھا اور جہاں بھی کوئی سوال ذہن میں آتا تھا یا کوئی قابل اعتراض جملہ آتا تھا تو ہم لوگ بر محل گرفت کرتے تھے کہ یہ صحیح نہیں ہے، اس طرح مناقشہ کافی طویل ہو جاتا تھا، لیکن گولڈ زیہر ”Gold Zihar“ کی کتاب میں جو رائے اور فکر پیش کی ہو جاتی اس کو غلط تسلیم کرنے کے لیے تیار نہ ہوتے تھے، بلکہ اس کو صحیح کرنے کے لیے بے جا تاویلیں کرتے جا رہے تھے۔ یہاں تک کہ جب ہ اپنے لکچر میں حضرت امام زہری علیہ الرحمہ پر گفتگو کرنے لگے اور اموی خلفاء کی تائید میں ان پر وضع حدیث کی تہمت باندھی تو میں نے حضرت امام زہری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں اپنی معلومات کے مطابق ڈاکٹر موصوف سے خوب مناقشہ کیا اور کہا کہ وہ تو حدیث کے امام ہیں۔ سارے علماء ان کو ثقہ تسلیم کرتے ہیں، لیکن وہ اپنی رائے پر قائم رہے اور میری کوئی بھی بات ماننے کے لیے تیار نہ ہوئے، تو اچانک میرے دل میں اس موضوع کی تحقیق کا جذبہ بیدار ہوا اور ڈاکٹر موصوف سے کہا کہ مستشرق گولڈ زیہر ”Gold Zihar“ نے حضرت امام زہری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پر جو الزامات لگائے ہیں اس کا آپ مجھے مکمل ترجمہ دے دیجیے خیر انہوں نے اتنا کرم کیا کہ اس کا ترجمہ دو صفحہ میں اپنے ہاتھ سے لکھ کر مجھے دے

دیا، اور میں نے اسی دن سے امام زہری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی سیرت اور گولڈ زیہر کی طرف سے ان پر اتہام والزام کی تحقیق و تفتیش میں مصر کے بڑے بڑے کتب خانوں کا چکر لگانا شروع کر دیا یہاں تک کہ از ہر یونیورسٹی کی لائبریری اور "دار الکتب المصریۃ" میں کتب سیر کی تمام مخطوطات کو چھان مارا، اور حضرت امام زہری رحمۃ اللہ علیہ سے متعلق جو بھی باتیں ان میں ملیں سب کو نقل کر لیا چنانچہ اس کی تحقیق میں میں نے مکمل تین ماہ صرف کیا اور میرا روزانہ کام یہ معمول بن گیا کہ "کلیۃ الشریعۃ" سے پڑھنے کے بعد رات کے اخیر حصہ تک اس مسئلہ کی حقیقت اور صحت تک پہنچنے کے لیے مشغول رہتا تھا جب میرے پاس حضرت امام زہری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے بارے میں صحیح معلومات مکمل طور پر جمع ہو گئیں تو ڈاکٹر موصوف سے میں نے عرض کیا۔

"لقد تبین أن "جولد تسیہر" قد حرف نصوص الأقدمین فیما يتعلق بالزہری فأجابنی بقولہ : لا یمكن هذا ، لأن المستشرقین - وخاصة "جولد تسیہر" قوم علماء منصفون لا یحرفون النصوص ولا الحقائق۔"

"مجھ پر یہ بات مکمل طور پر کھل گئی ہے کہ گولڈ زیہر "Gold Zihar" نے حضرت امام زہری کے متعلق قدیم مؤرخین کی عبارتوں میں تحریف و تبدیل سے کام لیا ہے، تو انہوں نے مجھے یہ کہتے ہوئے جواب دیا کہ یہ ہو ہی نہیں سکتا۔ کیوں کہ مستشرقین اور بطور خاص گولڈ زیہر "Gold Zihar" ایسے

منصف اور تعلیم یافتہ حضرات ہیں جو نہ تو عبارات میں تحریف کر سکتے ہیں اور نہ ہی حقائق میں رد و بدل کر سکتے ہیں۔"

پھر جب یہ مسئلہ مزید پیچیدہ ہو گیا تو میں نے اس موضوع پر "سرای عابدین قدیم" کے قریب "ہدایہ اسلامیہ سوسائٹی" کی بلڈنگ میں لکچر دلوانے کا عزم مصمم کر لیا، اور اس کے لیے جدوجہد شروع کر دیا۔ سوسائٹی نے از ہر یونیورسٹی کے علماء اور طلباء کو دعوت نامہ روانہ کر دیا اور ڈاکٹر موصوف کو بھی مدعو کیا۔ چنانچہ مقررہ وقت پر علماء اور طلباء کا ایک جم غفیر جمع ہو گیا جن میں ڈاکٹر موصوف بھی شامل تھے جن کی شرکت کی مجھے کافی خواہش تھی، پھر میں نے حضرت امام زہری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پر مستشرق گولڈ زیہر "Gold Zihar" کی طرف سے وارد شدہ الزامات کا جواب دینا شروع کیا اور ڈاکٹر موصوف نہایت ہی دلجمعی کے ساتھ میرے جوابات کو سماعت کرتے رہے جب میری تقریر اختتام پر پہنچی تو میں ان الفاظ کے ساتھ رخصت ہوا کہ حضرت امام زہری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے بارے میں یہ میرا نظریہ ہے اور یہی نظریہ ہمارے علماء کا بھی ہے۔ اب اگر ہمارے استاذ ڈاکٹر عبدالقادر صاحب ہمارے اس کلام سے مطمئن نہیں ہیں اور کوئی اعتراض یا سوال انہیں کرنا ہے تو تشریف لائیں اور اپنا سوال پیش کریں۔ چنانچہ ڈاکٹر موصوف تشریف لائے اور مجمع عام کے سامنے اس بات کا ان الفاظ میں اعلان کیا "إنی أعترف بأنی لم أکن أعرف من هو الزہری ؟ حتی عرفته الآن، ولیس لی اعتراض علی کل ما ذکرته۔"

”میں یہ اعتراف کرتا ہوں کہ اب تک یہ جانتا ہی نہیں تھا کہ امام زہری کون ہیں، لیکن اب ان کے بارے میں مجھے مکمل علم ہو گیا اور آپ کے لکچر پر مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔“

اس طرح ڈاکٹر موصوف کے ان حقیقت پسندانہ جملوں سے مجلس اختتام پذیر ہوئی، اور اس کے بعد ہم لوگ سوسائٹی کے صدر استاذ جناب خضر حسین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے کمرے میں داخل ہوئے جو بعد میں ”شیخ الأزهر“ کے عہدے پر فائز ہوئے۔ ڈاکٹر موصوف بھی وہاں تشریف فرما تھے انہوں نے مجھ سے کہا کہ آپ کی تقریر بہت کامیاب رہی آپ نے تو مستشرقین کی تحقیقات میں ایک نئے باب کا آغاز کیا ہے میری خواہش ہے کہ اس لکچر کا ایک نسخہ آپ مجھے دے دیں تاکہ جرمنی کے ان علمی رسالوں اور اخباروں میں اس کو شائع کرا سکوں جو مستشرقین کی تحقیقات کو شائع کرنے کا خاص اہتمام کرتے ہیں۔ مجھے یقین کامل ہے کہ مستشرقین کے حلقوں میں کھلبلی مچ جائے گی۔ میں نے ان کا تہہ دل سے شکریہ ادا کیا اور مجھے ایسا لگا کہ ایک استاذ اپنے شاگرد کی حوصلہ افزائی فرما رہے ہیں۔ چنانچہ ایک نسخہ انہیں دے دیا۔

چند دنوں بعد ڈاکٹر موصوف نے مجھے اپنے گھر پر بلایا۔ ہمارے اور ان کے درمیان اسی موضوع پر بات چھڑ گئی اور اخیر میں ہم دونوں نے یہ فیصلہ کیا کہ جب ہم گرمی کے موسم میں فارغ ہوں گے، تو مستشرق گولڈ زیہر "Gold Zihar" کی کتاب کا ترجمہ اور اس کا جواب لکھیں گے، لیکن قسمت نے یاوری نہ کی اور اس کے

بعد دوسری جنگ عظیم کے آغاز میں انگریزی فوجوں نے مجھے قاہرہ میں گرفتار کر لیا چنانچہ میں قاہرہ سے سات سال تک دور رہا اور اسی درمیان ڈاکٹر موصوف نے ”نظرة عامة في تاريخ الفقه الإسلامي“ نام کی کتاب لکھ کر شائع کروا دیا لیکن مجھے اس کتاب کے مطالعہ کی فرصت تین سال کے بعد ہی مل سکی کیوں کہ میری رہائی دوسری جنگ عظیم کے دوران ہوئی۔

یہ وہ واقعہ ہے جو استاد گرامی ڈاکٹر علی حسن عبدالقادر صاحب کے ساتھ پیش آیا، اور میرا خیال ہے کہ بعد میں ان کے اندر بہت تبدیلی آگئی اور مستشرقین خصوصاً مستشرق گولڈ زیہر "Gold Zihar" کے بارے میں جو انکا نظریہ اور موقف تھا اور اسکی امانت داری، اخلاص اور عبارتوں کی عدم تحریف کا جو اعتقاد تھا سب زائل ہو گیا۔ مستشرقین کی تحقیقات پر اعتماد کے انتہاء پسندانہ نظریہ کے برعکس ایک دوسرا انتہاء پسندانہ نظریہ یہ بھی ہے جو مستشرقین اور ان کے تعصب سے پر نظریات پر بلا امتیاز حق و باطل حملہ کرتا ہے اس دوسرے نظریہ کی مثال ”احمد فارس الشدياق“ کے اقوال سے پیش کی جاسکتی ہے جو انکی کتاب ”ذیل الفاریاق“ میں درج ہیں:

”إن هؤلاء الأساتيد (المستشرقين) لم يأخذوا العلم عن شيوخهم وإنما تطفلوا عليه تطفلا و توثبوا فيه توثبا و من تخرج فيه بشي فإنما تخرج على القس، ثم أدخل رأسه في أضغاث أحلام، أو أدخل أضغاث أحلام في رأسه و توهم أنه يعرف شيئا

وہو یجھلہ، و کل منهم إذا درس في إحدى لغات الشرق أو ترجم شيئاً منها تراہ یخبط فیہ خبط عشواء، فیما اشتبه علیہ منها رقعہ من عنده بما شاء، و ما كان بین الشبهة والیقین حدس فیہ و خمن فرج منه المرجوح و فضل المفضول“

”ان مستشرقین اساتذہ نے اہل علم سے علم نہیں حاصل کیا بلکہ سرسری طور پر کسی سے کچھ پڑھ لیا اور اس میدان میں کود پڑے، اور اگر کسی نے کچھ حاصل بھی کیا تو وہ پادریوں سے حاصل کیا چنانچہ اس نے یا تو شبہات میں اپنا سر ڈال دیا، یا شبہات کو اپنے سر میں ڈال لیا، اور نادانی میں یہ خیال کر بیٹھا کہ وہ سب کچھ جانتا ہے جبکہ سب کے سب کا حال یہ ہے کہ جب وہ کسی مشرقی زبان کو سیکھتے ہیں یا اسکا ترجمہ کرتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اندھیرے میں تیر چلا رہے ہیں اور اگر انھیں اسمیں کہیں کچھ شبہ ہوتا ہے تو اپنی طرف سے من مانی پیوند کاری کر جاتے ہیں اور جہاں کہیں وہ شک و یقین کی منزل میں ہوتے ہیں تو وہاں انگل کا سہارا لیتے ہیں اور رائج کو مرجوح اور مرجوح کو رائج قرار دیتے ہیں۔“

حق تو یہ ہے کہ بے جا تعریف میں رطب اللسان ہو جانا، اور بے جا مخالفت پر کمر بستہ ہو جانا اسمیں سے ہر ایک ان تاریخی حقائق کے منافی ہے جس کو مستشرقین نے اپنے کارناموں میں قلم بند کیا ہے اور نئی تحقیقات کے راستے کھولے ہیں۔ لیکن ہم تو

ایسے دین کو ماننے والی قوم ہیں جو دشمنوں کیساتھ بھی ہمیں عدل و انصاف کا درس دیتا ہے جیسا کہ قرآن کریم میں اللہ رب العزت ارشاد فرماتا ہے  
”ولا یجر منکم شنآن قوم علی أن لا تعدلوا اعدلوا هو أقرب للتقویٰ“

”اور تم کو کسی قوم کی عداوت اس پر نہ ابھارے کہ انصاف نہ کرو انصاف کرو وہ پرہیزگاری سے زیادہ قریب ہے۔“ (کنز الایمان)

## تاریخ استشرق

یہ بات یقینی طور پر تو نہیں معلوم ہے کہ کون سا وہ مغربی شخص ہے جو مشرقی علوم کے مطالعہ کی طرف سب سے پہلے متوجہ ہوا، اور نہ ہی اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ کس وقت مغرب کے لوگوں نے مشرقی علوم کے مطالعہ کا آغاز کیا۔ لیکن تاریخی حقائق سے ان باتوں کا ضرور انکشاف ہوتا ہے کہ بعض مغربی راہب اندلس کی عظمت و ترقی اور شان و شوکت کے دور میں اندلس آئے اور وہاں کے مدرسوں میں تعلیم حاصل کرنے لگے انھوں نے مختلف علوم و فنون خصوصاً فلسفہ، طب اور ریاضی کی تعلیم علمائے اسلام سے حاصل کی، اور قرآن کریم اور دیگر عربی کتابوں کا اپنی زبانوں میں ترجمہ کیا۔

ان راہبوں کی فہرست میں سب سے پہلا نام جربرٹ "Jerbert" نامی ایک فرانسیسی راہب کا آتا ہے جب یہ راہب اندلس میں تعلیم حاصل کر کے اپنے ملک



واپس ہوا تو ۹۹۹ء میں روم کے کلیسا کا پادری منتخب کیا گیا۔ دوسرا نام ”پیٹر Peter“  
(۱۰۹۳ء-۱۱۵۶ء) کا آتا ہے اور تیسرا نام جیرارڈی گریمون Gerard de  
"Gremone" (۱۱۱۴ء-۱۱۸۷ء) کا بیان کیا جاتا ہے۔

اس طرح ان سارے راہبوں نے اپنے وطن واپس ہونے کے بعد عربی  
تہذیب و ثقافت اور مشہور علماء عرب کی تالیفات و تصنیفات کی نشر و اشاعت میں اپنے  
آپکو مصروف رکھا، چند ہی سال گزرے تھے کہ عربی تعلیم کیلئے مدرسوں کا قیام ہونے لگا  
مثلاً مدرسہ ”بادوی“۔ اس طرح یہ راہب بہت سارے مدارس اور بہت سارے گرجا  
گھروں میں لاطینی زبان میں (جو کہ اس وقت تمام یورپین ممالک میں زبان علم و فن  
سمجھی جاتی تھی) ترجمہ شدہ عربی کتابوں کا درس دینے لگے۔ مغرب کی یونیورسٹیاں ان  
عربی کتابوں پر اعتماد کرتی رہیں۔ اور تقریباً چھ صدی تک انکو تحقیق و مطالعہ کیلئے اصلی  
مراجع کی حیثیت سے تسلیم کرتی رہیں۔

اس وقت سے مغربی لوگوں کی آمد و رفت کا سلسلہ منقطع نہیں ہوا، اسلام اور  
عربی زبان کی تعلیم حاصل کرتے رہے، قرآن اور دیگر عربوں کی علمی و ادبی کتابوں کا  
ترجمہ بہت ہی برق رفتاری سے ہوتا رہا اور جب اٹھارہویں صدی کا زمانہ آیا تو مغرب  
کے لوگ اسلامی دنیا میں سامراجیت کے نفوذ کے درپے ہو گئے اور اسلامی ملکوں پر قبضہ  
جمانا شروع کر دیا، اسلام اور اسلامی ملکوں کے خلاف ایک تو مغرب کی ریشہ دوانیاں  
اپنے نقطہ عروج پر تھیں اور دوسری طرف مغرب کے علماء استشرقیہ کی نشر و اشاعت کیلئے

جی توڑ کوشش کر رہے تھے۔ اسکے لئے مغرب کے سارے ملکوں میں ماہنامے اور  
رسالے نکال رہے تھے اسلامی اور عربی ملکوں میں عربی مخطوطات پر ٹوٹ پڑے اور انکے  
نادان مالکان سے کتابیں خریدنے لگے، اور بڑی بڑی لائبریریوں سے کتابوں کے خرد  
برد میں مشغول ہو گئے۔ کیونکہ یہ کتب خانے نہایت ہی بد نظمی کے شکار تھے اس طرح  
عربی کے نادر مخطوطات کو انھوں نے اپنے ملک کی لائبریریوں میں منتقل کر لیا اور انکی  
لائبریریاں عربی کے نایاب مخطوطات سے پر ہو گئیں انیسویں صدی کے آغاز تک ان  
مخطوطات کی تعداد دو لاکھ پچاس ہزار تک پہنچ گئی اور اب بھی تعداد میں اضافہ ہی ہوتا  
جا رہا ہے۔

مستشرقین نے اپنے مشن کو آگے بڑھانے کیلئے انیسویں صدی کی آخری  
چوتھائی ۱۸۷۳ء میں پیرس ”Paris“ میں اپنی پہلی کانفرس کا انعقاد کیا مشرق کے  
ادیان و مذاہب، تہذیب و ثقافت اور علوم و فنون کی تحقیق و تدقیق میں کانفرنس منعقد ہوتی  
رہیں اور یہ سلسلہ آج تک جاری ہے۔

## میدان استشرق

جیسا کہ آپ نے ابھی ابھی ملاحظہ فرمایا کہ استشرق کا آغاز صرف عربی  
زبان اور اسلام جیسے مذہب کے مطالعہ سے ہوا۔ لیکن اسی استشرق کا دائرہ مشرق میں  
مغربی سامراجیت کے زور پکڑنے کے بعد اتنا وسیع ہو گیا کہ مشرق کے تمام مذاہب انکی

انھوں نے عصر حاضر کی نئی تہذیب و ثقافت کا مطالعہ کیا تو انھیں مذہب اسلام کے خلاف پروپیگنڈہ کرنے کی سخت ضرورت محسوس ہوئی کیونکہ نئی تہذیب و ثقافت اس حد تک مؤثر ہوئی کہ اس نے اہل مغرب کے عقیدے کی بنیادوں کو ہلا کر رکھ دیا یہاں تک کہ انھیں اپنے ماضی کے رہنماؤں اور راہبوں سے حاصل کردہ ساری تعلیمات پر شک ہونے لگا۔ اسلئے مستشرقین نے یہ منصوبہ بنایا کہ مذہب اسلام پر ایسے سخت حملے کئے جائیں کہ اہل مغرب کو اپنی مقدس کتابوں اور مشکوک عقائد کی تنقید کا موقع ہی نہ ملے۔ کیونکہ مستشرقین کو اس بات کا اچھی طرح علم تھا کہ اسلامی فتوحات کی ابتداء سے لیکر صلیبی جنگوں تک اور یورپ میں عثمانی سلطنت کی فتوحات تک اہل مغرب کے دلوں میں کیا آثار مرتب ہوئے ہیں، اور اسلام کی شان و شوکت سے وہ کس قدر خائف ہوئے ہیں، اسلام اور اہل اسلام سے کس قدر نفرت کرنے لگے ہیں۔ لہذا ان راہبوں نے نفسیاتی اثرات کو غنیمت سمجھتے ہوئے اسلامی علوم کی تحقیق و مطالعہ کی سرگرمیوں میں مزید اضافہ کر دیا اور زبردست مطالعہ کیا، ساتھ ہی ساتھ انھوں نے اپنا مشنری مقصد بھی فوت نہ ہونے دیا بلکہ اسے اپنی علمی تحقیقات میں زندہ رکھا۔ کیونکہ وہ ہر شئی سے پہلے ایک مذہب کے پیشوا تھے اسلئے وہ اسلام کی عظمت و رفعت کو مٹانے کیلئے کمر بستہ ہو گئے تاکہ اسلامی ثقافت کے متلاشیوں کے دلوں میں اسلامی عقائد و نظریات کے متعلق کمزوری پیدا ہو جائے اور اسلامی تراش، تہذیب و ثقافت اور اسلامی علوم و فنون انکی نظروں میں مشکوک ہو جائیں۔

عادات و تقالید، رسم و رواج، تہذیب و ثقافت، زبان و بیان اور اسکے جغرافیائی علم کی تحقیق پر محیط ہو کر اختتام پذیر ہوا۔ لیکن وسعت تحقیق کے باوجود استشرق کا مطلق نظر اسلام، عربی زبان و ادب اور اسلامی تہذیب و ثقافت ہی رہا۔ ان دینی اور سیاسی اسباب کو مد نظر رکھتے ہوئے جن اسباب نے مستشرقین کو مشرقی علوم کی تحقیق پر آمادہ کیا انشاء اللہ ہم بعد میں انکو تفصیلی طور پر ذکر کریں گے۔

## استشرق کے اسباب

استشرق کے چند اسباب ہیں (۱) دینی اسباب (۲) سامراجی اسباب (۳) تجارتی اسباب (۴) سیاسی اسباب (۵) علمی اسباب

**دینی اسباب:** ہمیں استشرق کے پہلے سبب سے متعارف ہونے کیلئے کسی جدوجہد کی حاجت نہیں۔ یہ بات بالکل ظاہر و باہر ہے کہ استشرق کا سب سے اولین سبب دینی ہے راہبوں سے اس تحریک کا آغاز ہونا ہی اس پر بین دلیل ہے جیسا کہ عصر حاضر میں بھی یہ سلسلہ قائم ہے مستشرقین کا یہ منصوبہ تھا کہ اسلام پر کیچڑ اچھالا جائے، اسکی خوبیوں اور محاسن کو مٹا دیا جائے اور اسلام کے روشن حقائق کو مسخ کر دیا جائے تاکہ اسکے ذریعہ اپنے زیر اثر عوام کو یہ باور کرا دیں کہ دین اسلام مسیحیت کا واحد مخالف دین ہے، اور قابل نشر و اشاعت نہیں ہے، اور اپنی عوام کے ذہنوں میں یہ بات بٹھا دیں کہ مسلمان چور، ڈاکو، بد معاش، وحشی اور خونریز قوم ہے۔ اسلام تو انہیں جسمانی لذتوں اور خواہشات کی دعوت دیتا ہے اور ہر روحانی و اخلاقی بلندی سے دور کرتا ہے۔ لیکن جب

سامراجی اسباب: جب صلیبی جنگوں کا خاتمہ ہو گیا اور صلیبیوں کو رسوائی اور پسپائی کا سامنا کرنا پڑا (بظاہر تو یہ جنگ دینی تھی لیکن اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو اسمیں سامراجی جنگ کی جھلک نظر آتی ہے) تو اسکے باوجود بھی اہل مغرب اسلامی اور عربی ملکوں پر قبضہ کے خاتمہ سے ناامید نہ ہوئے بلکہ ان ملکوں کے حالات و کیفیات، عادات و اطوار، اخلاق و کردار، مال و دولت اور عقائد و نظریات کے مطالعہ میں مکمل دلجمعی کیساتھ ڈٹ گئے، تاکہ ان ملکوں کی قوت و ضعف کی جگہوں پر مطلع ہو سکیں اور اسباب قوت کو کمزور کر کے اسباب ضعف سے فائدہ اٹھائیں۔ فوجی بالادستی اور سیاسی گرفت مضبوط و مستحکم ہونے کے بعد استشر اق کو آگے بڑھانے کے اسباب و محرکات بدستور قائم رکھیں۔ اور استشر اق کا تو مقصد ہی یہ تھا کہ مسلمانوں کے ذہن و دماغ میں روحانی اور اخلاقی مزاحمت کو کمزور کر دیا جائے اور مسلمانوں کی اسلامی تراث، عقائد و نظریات، انسانی اقدار و روایات کی افادیت کو مشکوک کر کے انکے افکار و خیالات کو متزلزل کر دیا جائے، اور انھیں فکری اور ذہنی طور پر اپنا جج بنادیا جائے تاکہ وہ خود اعتمادی کھودیں، اور اہل مغرب کے سایہ میں زندگی بسر کریں اور ان سے اخلاقی اقدار اور عقائد کے اصول کی بھیک مانگیں، اور اس طرح جب قوم مسلم فکری اور ذہنی طور پر اہل مغرب کی غلامی کا طوق اپنے گلے میں ڈال لے گی تو وہ انکی تہذیب و ثقافت اور تقلید و روایات کے سامنے اپنا سر خم کر دے گی اور برضا و رغبت انکی مطیع و فرماں بردار ہو جائے گی اور اسکے بعد پھر کبھی اپنا سر نہیں اٹھا سکے گی۔

آپ خود ہی ملاحظہ فرمائیں کہ یہ لوگ ہمارے ملکوں میں ان قدیم قومی نعروں کو ہوا دے رہے ہیں جنکو مٹے ہوئے صدیاں گزر گئیں اور انھیں دوبارہ زندہ کرنے کی جدوجہد کر رہے ہیں۔

عرب میں اسلامی پیغام کے ظہور کے بعد بہت ساری قوموں کا خاتمہ ہو گیا، انکے عقائد و نظریات، زبان و بیان اور ممالک سب ایک ہو گئے، اور سب نے متحد ہو کر اسلام کا پیغام چہار دانگ عالم میں پھیلا دیا، مسلمانوں اور دیگر قوموں کے مابین انسانی، تاریخی اور تہذیبی روابط و تعلقات قائم ہوئے جن کی بنیاد پر مسلمانوں کی قوت و طاقت میں اضافہ ہوا، اور دیگر قوموں کو انکے زیر سایہ عظمت و ہدایت ملی۔ لیکن اہل مغرب کا حال یہ ہے کہ وہ نصف صدی سے مصر میں ”فرعونیت“ اور شام، لبنان اور فلسطین میں ”فیدیقیہ“ اور عراق میں ”آشوریہ“ کو زندہ کرنے کیلئے سر توڑ کوشش کر رہے ہیں تاکہ قوم مسلم کے شیرازہ کو منتشر کرنا انکے لئے آسان ہو جائے اور اپنی سازشوں سے ہمارے اندر حریت پسندی کے جذبے کا خاتمہ کر دیں، اور ہمیں اپنی زمین پر جو آزادی، قیادت اور قوت حاصل ہے اسکو کمزور کر دیں تاکہ پھر ہم دوبارہ دنیائے تہذیب و ثقافت میں ایک امتیازی حیثیت کے حامل نہ ہو سکیں۔ عقیدہ، اعلیٰ اقدار و روایات اور مشترکہ تاریخ و مفادات میں ہمارے شرکاء سے اتحاد نہ ہو سکے۔

تجارتی اسباب: وہ اسباب و وسائل جو استشر اق کی ترقی اور پیش قدمی میں مؤثر تھے ان میں ایک تجارتی سبب بھی ہے وہ یہ کہ مغرب کے لوگ بہت دلچسپی سے مسلمانوں

کے ساتھ لین دین کرتے تھے تاکہ وہ اپنے خرید و فروخت کے سامان کو زیادہ سے زیادہ عام کر سکیں، اور مسلمانوں کے خام قدرتی ذرائع کو کم سے کم قیمت پر خرید سکیں، اور مسلمانوں کی ان علاقائی صنعت کو ٹھپ کر دیں جو عرب اور مسلم ممالک میں عروج و ارتقاء کی چوٹی پر پہنچی ہوئی تھیں۔

**سیاسی اسباب:** استشراق کے فروغ میں جو اسباب اثر انداز تھے ان میں ایک سیاسی سبب بھی تھا، جب اسلامی اور عربی ممالک نے اہل مغرب کی غلامی سے نجات پایا اور انھیں خود مختاری نصیب ہوئی تو یہ سبب اور زیادہ کھل کر سامنے آیا۔ یہ بات یاد رہے کہ عربی اور اسلامی ممالک میں مغربی ممالک کے سفارتی اہلکاروں میں ایک مشیر خاص یا کلچر کا نمائندہ ہوتا ہے جو عربی زبان پر مکمل دسترس رکھتا ہے جس کا کام ہی یہ ہوتا ہے کہ وہ ہمارے ملکوں میں سیاست اور صحافت کے ماہرین اور دیگر مفکرین سے رابطہ پیدا کر کے ان کے سیاسی افکار و نظریات پر مطلع ہو اور اپنے ملک کے مرتب کردہ سیاسی رجحانات کی ان کے اندر بیج بوئے اور وہ اس مقصد میں کافی حد تک کامیاب بھی رہے، مغربی ممالک کے سفراء نے عرب ممالک کے مابین ہمیشہ انتشار پیدا کرنے کی کوشش کی، اور اسی طرح عربی اور اسلامی ملکوں کے اندر ہمیشہ پھوٹ ڈالنے کی جدوجہد کی چنانچہ اکثر ملکوں میں وہ اپنے مقصد میں کامیاب رہے مغربی ممالک اسی مقصد کے تحت ان سفراء کو بھیجتے بھی ہیں تاکہ وہ عربی ممالک اور اسلامی ممالک کو آپس میں لڑائیں اگرچہ ان کا دعویٰ خیر خواہی اور امداد رسانی کا ہوتا ہے، یہ ساری سرگرمیاں ان ممالک کے اہم ذمہ داران کی نفسیات

کا زبردست مطالعہ اور ان کی سیاست عامہ کے کمزور پہلوؤں کی مکمل شناخت کے بعد وقوع پذیر ہوئیں اور نتیجتاً وہ اس طرح اپنے مفادات اور سامراجیت کو نقصان پہنچانے والے عوامی رجحانات پر بھی مطلع ہوتے رہتے تھے۔

**علمی اسباب:** استشراتی تحریک کی نشر و اشاعت میں جو اسباب و عوامل کارگر ثابت ہوئے ہیں ان میں ایک علمی سبب بھی ہے۔ مستشرقین میں بہت کم افراد ایسے گذرے ہیں جنہیں اقوام و ملل کے ادیان و مذاہب، تہذیب و ثقافت اور زبان و بیاں پر مطلع ہونے کی خواہش اور دلچسپی تھی یہی وجہ ہے کہ ان لوگوں نے دوسرے مستشرقین کے بہ نسبت مذہب اسلام اور اسلامی تراث کے فہم و ادراک میں کم غلطیاں کی ہیں کیونکہ تحریف و ترمیم، غلط بیانی اور جعل سازی ان کا مقصد نہیں تھا، جس کی وجہ سے ان کی تحقیقات حقائق سے زیادہ قریب ہیں۔ اور ان کے علمی مضامین میں صحیح علمی منہج کی جھلک نظر آتی ہے جب کہ اکثر مستشرقین کی تحقیقات، علمی مضامین اور مقالات ان خوبیوں اور محاسن سے عاری نظر آتی ہیں۔ چنانچہ بعض مستشرقین پر اسلام کی حقانیت کھل گئی اور وہ حلقہ بگوش اسلام ہو گئے لیکن یہ اسی وقت ہوتا ہے جب کہ ان کے پاس ذاتی طور پر مالی وسائل فراہم رہیں جنکی مدد سے وہ استشراق کی امانت داری اور اخلاص کے ساتھ خدمت کر سکیں، لیکن بالعموم ہوتا ہے کہ ان کی غیر جانبدارانہ تحقیقات کی نہ تو دینی لوگوں میں پذیرائی ہوتی ہے اور نہ ہی ان کو سیاسی لوگوں اور عام محققین کے نزدیک مقبولیت حاصل ہو پاتی ہے اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان مستشرقین کو کوئی مالی یا اقتصادی فائدہ نہیں مل پاتا ہے

اور انہی وجوہات کی بنیاد پر اس قسم کے مستشرقین کا وجود بہت ہی شاذ و نادر ہے۔

## استشرق کے اغراض و مقاصد

عام مستشرقین کے استشراتی علوم و تحقیقات کے اغراض و مقاصد کو تین حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

(۱) پر فریب علمی مقصد: اس سے مستشرقین کے چند مقاصد ہیں

اولاً: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی صحت میں شک کی بیج بونا، اور رسالت کا سرچشمہ اور اصل ذات خداوندی کو تسلیم نہ کرنا۔ اسی لیے جمہور مستشرقین رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے کا انکار کرتے ہیں اور من جانب اللہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف وحی کے منکر ہیں۔ جب مستشرقین نزول وحی الہی کے وقت سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر طاری ہونے والے مخصوص حالات کی توضیح و تشریح کرتے ہیں تو انتہائی حماقت و جہالت کا ثبوت دیتے ہیں جبکہ نزول وحی الہی کے یہ حالات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور خصوصاً ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ذکر کئے ہیں معاذ اللہ بعض مستشرقین نزول وحی الہی کے وقت طاری ہونے والی کیفیات کو مرگی سے تعبیر کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ آپ کو کبھی کبھی مرگی کا دورہ پڑتا تھا اور بعض مستشرقین، وحی کو ان تخیلات سے تعبیر کرتے ہیں جو کہ نبی کریم صلی اللہ

علیہ وسلم کے ذہن و دماغ میں معاشرتی بے راہ روی کی اصلاح کی خاطر موجزن تھے، اور بعض وحی کی تشریح کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ وہ ایک نفسیاتی مرض تھا وغیرہ وغیرہ (نعوذ باللہ من هذه الأقوال الخبيثة)

ایسا لگتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل کوئی نبی اور رسول آیا ہی نہیں کہ وحی کی صورت و کیفیت کی تفسیر ان کیلئے ایک مشکل امر بن گیا، جبکہ ہر یہودی اور نصرانی توریت میں مذکور انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والتسلیم پر ایمان مطلق رکھتا ہے حالانکہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تاریخی شان و شوکت، انقلابی رعب و دبدبہ اور اپنے ساتھ لائے ہوئے اصول و قوانین کی عظمت و رفعت میں انبیاء سابقین سے کہیں بڑھکر ہیں اسکے باوجود مستشرقین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو ایسے غلط معانی سے تعبیر کرتے ہیں جو ہر صورت میں شان نبوت کے منافی ہیں اور یہ ساری تعبیرات ان کے مذہبی تعصب پر بین دلیل ہیں۔

اور جہاں تک ان کے دینی پیشواؤں، پادریوں اور عیسائی مبلغین کا مسئلہ ہے تو وہ تو اس علمی خیانت میں قابل تقلید نمونہ بنے رہے!

اسی طرح جب انہوں نے قرآن کو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر منجانب اللہ نازل کئے جانے کو تسلیم نہیں کیا اور قرآن میں گزشتہ امتوں کے بارے میں وارد شدہ تاریخی حقائق (جن کا صدور تاجدار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم جیسے امی سے مستحیل ہے) نے

انھیں لاجواب اور ساکت کر دیا تو مستشرقین نے بھی وہی قول دہرایا جو عہد رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں جاہل مشرکین کہا کرتے تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہ معلومات کچھ ایسے لوگوں سے لیتے ہیں جو انھیں آکر بتاتے ہیں

اس سلسلے میں وہ عجیب قسم کی بیہودہ باتیں کرتے ہیں اور جب انھیں قرآن کریم میں وارد ان سائنسی حقائق سے سامنا ہوتا ہے جن حقائق کا انکشاف صرف اور صرف عصر حاضر میں ہوا ہے تو وہ یہ کہہ کر ٹال دیتے ہیں کہ وہ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذہانت و فطانت کا نتیجہ ہے۔

**ثانیاً:** مستشرقین رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت اور قرآن کے ”منزل من السماء“ ہونے کے منکر ہے اور مذہب اسلام کے من عند اللہ ہونے کا بھی انکار کرتے ہیں بلکہ انکا خیال تو یہ ہے کہ مذہب اسلام یہودیت اور مسیحیت دونوں مذہبوں

کا معجون مرکب ہے، لیکن مستشرقین کے پاس ان دعوؤں کی کوئی دلیل اور ثبوت نہیں ہے اور نہ ہی کوئی علمی تحقیق ان دعوؤں کی مؤید ہے، انکے یہ دعوے محض ان چند ظاہری تشابہ پر مبنی ہیں جو اسلام اور سابقہ دونوں مذہب (یہودیت اور نصرانیت) کے درمیان پائے جاتے ہیں۔

ملاحظہ کرتے چلیں کہ یہودی مستشرقین مثلاً گولڈزیہر "Gold Zihhar" اور جوزف ساخت "J. Schacht" وغیرہ نے پوری دنیا کو یہ باور کرانے کی انتھک

کوشش کی ہے کہ مذہب اسلام یہودی مذہب سے ماخوذ ہے اور یہودی مذہب اسلام پر اثر انداز ہے اور مسیحی مستشرقین اس دعوے میں یہودی مستشرقین کی اندھی تقلید کرتے ہیں کیونکہ مسیحی مذہب میں کوئی ایسا قانون اور آئین نہیں ہے جسکو وہ یہ تصور کر سکیں کہ اسلام اس سے متاثر ہے یا اسلامی قانون اس سے ماخوذ ہے، البتہ وہ یہ گمان کرتے ہیں کہ مسیحیت میں کچھ ایسے اخلاقی اصول ہیں جو اسلام پر اثر انداز ہو گئے ہیں اور اسلام میں داخل ہو گئے ہیں مسیحیوں کی ان باتوں سے ایسا لگتا ہے کہ ادیان سماویہ کے اخلاقی اصول و مبادی کا متعارض ہونا لازمی اور واجب ہے اور ایک دین کو بھیجنے والا کوئی اور ہے اور دوسرے دین کو بھیجنے والا کوئی اور ہے فتعالی اللہ علواً کبیراً<sup>۱</sup>

**ثالثاً:** مستشرقین ان احادیث نبویہ کی صحت میں شکوک و شبہات ڈالتے ہیں جن پر ہمارے محققین و علماء اعتماد کرتے آئے ہیں اور اس سلسلے میں بعض بد نیتوں کی طرف سے احادیث طیبہ کی نقل میں کی گئی ہیرا پھیری اور وضع کا سہارا لیتے ہیں، اور ان کوششوں اور کاوشوں کو یکسر نظر انداز کر دیتے ہیں جو ہمارے علماء کرام نے احادیث صحیحہ کو احادیث موضوعہ سے الگ کرنے میں صرف کی ہیں حالانکہ ان معزز علماء نے اپنی ان کاوشوں میں نہایت ہی دقیق اصول اور جانچ پڑتال کے انتہائی ٹھوس قواعد کو مد نظر رکھا ہے، اور ان مستشرقین کا حال تو یہ ہے کہ ہمارے علماء کے ان مضبوط اور مستحکم اصول کے

<sup>۱</sup> یہ ممکن ہے کہ دو الگ الگ دین اپنے اصول اور اخلاقی اقدار میں مشابہت رکھتے ہوں مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا ہے کہ ایک دین دوسرے دین سے ماخوذ ہے کیونکہ اگر دو دین منزل من اللہ ہیں تو اصول و ضوابط میں کہیں کہیں تشابہ کا ہونا امر طبعی ہے۔

مقابلے میں انکی مقدس کتابوں کی صحت سند کی تحقیق کے اصول ایک فی صد کو بھی نہیں چھو سکتے ہیں نے اس موضوع سے متعلق اپنی کتاب ”السنة ومكانتها في التشريع الإسلامي“<sup>۱</sup> میں بہت علمی اور تحقیقی بحث کی ہے۔

ان مستشرقین کو یہ غیر منصفانہ دعوے اور حیلہ سازیاں اس وجہ سے کرنی پڑیں کہ وہ احادیث طیبہ کا اتنا زبردست خزانہ اور قانون سازی کا یہ حیرت انگیز سرمایہ دیکھ کر مبہوت ہو گئے جو سرمایہ کہ ہمارے علماء کی تحقیق و تدقیق کا مرکز بنا رہا، مستشرقین رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے معتقد تو تھے نہیں اسلئے انھوں نے یہ دعویٰ کر دیا کہ جن باتوں کا صدور امی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوتا ہے وہ عقل سے بعید معلوم ہوتی ہیں اور سارا کام مسلمانوں کی پہلی تین صدیوں میں جمع خرچ کا نتیجہ ہے، مستشرقین کے ذہنی خلجان اور نفسیاتی پریشانی کا واحد سبب یہ ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی تصدیق نہیں کرتے ہیں اور عدم تصدیق ہی ان کی ساری حیلہ سازیوں، بہانہ بازیوں اور غلط بیانیوں کا سرچشمہ ہے۔

رابعاً: یہ کہ فقہ اسلامی کی بنیادی اور ذاتی عظمت و وقعت میں شک کے شوشے چھوڑنا تاریخ اس بات پر شاہد عدل ہے کہ آج تک کسی بھی امت کو فقہ اسلامی جیسا قانون میسر نہیں ہوا جب مستشرقین کو فقہ اسلامی کی عظمت و رفعت کا علم ہوا تو وہ بہت پشیمان ہوئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے منکر تو تھے ہی لہذا جب

۱۔ یہ کتاب مؤلف کی زندگی ہی میں شائع ہو چکی ہے اور اشاعت کا سلسلہ اب بھی جاری ہے کتاب کے مضامین، نکات اور باریکیوں سے ایسا اندازہ ہوتا ہے کہ ایک محقق نے علم کا دریا بہایا ہے۔

انھیں کچھ اور نہ ملا تو یہی لکھ دیا کہ فقہ اسلامی رومانی قانون سے ماخوذ ہے (یعنی مغربی قوانین سے ماخوذ ہے) جب مستشرقین کا یہ دعویٰ سامنے آیا تو ہمارے محققین علماء خاموش نہ رہے بلکہ انکے سارے دعووں کا علمی اور تحقیقی جواب دیکر انکا پرچہ اڑا دیا، اسی موضوع پر ”لاہائی“ میں منعقد ہونے والی ”مؤتمر القانون المقارن“ نے یہ فیصلہ کیا کہ فقہ اسلامی قرآن و سنت سے ماخوذ مستقل قانون ہے اور وہ کسی دوسرے قانون سے ماخوذ نہیں ہے اس کانفرس کی رپورٹ ہی مغربی ہٹ دھرم محققین کیلئے دندان شکن جواب ہے اور انصاف پسند اور متلاشیان حق محققین کی تشفی کیلئے کافی و دافی ہے۔

خامساً: عربی زبان کے سائنسی ترقی کے پہلو بہ پہلو چلنے کی طاقت و قدرت میں شک پیدا کرنا، تاکہ ہم ہمیشہ انکی اصطلاحات کے محتاج رہیں اور ہمیشہ ہمیں انکی احسان مندی اور ادبی حکمرانی کے تسلط کا احساس رہے۔

نیز عربی لٹریچر کی بے نیازی میں شک کی بیج ڈالنا اور اسے ایک خشک اور دوسری ادبیات کا محتاج ادب باور کرانا (یہ انکے مقاصد میں سے رہے ہیں) تاکہ ہم انکی ادبیات کی طرف متوجہ ہوں یہی وہ علمی اور ادبی سامراج ہے جسکو وہ فوجی سامراج سے ملانا چاہتے ہیں۔ یہ رہے وہ علمی اغراض و مقاصد جن میں مستشرقین کی بھاری اکثریت سرگرم عمل ہے

## (۲) دینی اور سیاسی اغراض و مقاصد:

اولاً: اس کا خلاصہ چند سطروں میں یہ ہے کہ مسلمانوں کے اندر انکے نبی کریم صلی

اللہ علیہ وسلم، قرآن، شریعت اسلامیہ اور فقہ اسلامی کی تحقیق کے نام پر شکوک و شبہات کے ایسے شوشے چھوڑنا جو مسلمانوں کی اپنی علمی اور ایمانی تراش پر خود اعتمادی کو مجروح کریں۔ یاد رہے کہ اسکے پیچھے مستشرقین کے دو مقصد کارفرما ہیں ایک تو دینی مقصد اور دوسرا سماجی مقصد۔

ثانیاً: مسلمانوں کے دلوں میں ان کے تہذیبی سرمایہ کی اقدار و روایات کے متعلق شک ڈال دینا۔ جیسا کہ مستشرقین اس بات کا دعویٰ کرتے ہیں کہ اسلامی تہذیب و تمدن رومانی تہذیب و ثقافت سے منقول ہے، اہل عرب نے رومانی تہذیب و تمدن، اس کے فلسفہ اور اس کے آثار و علامات کو نقل کیا ہے خود ان کی اپنی کوئی جدید فکر اور نئی تہذیب نہیں ہے۔ اور یہ کہ اسلامی تہذیب و ثقافت میں ہر قسم کی خرابیاں اور خامیاں پائی جاتی ہیں لہذا جب بھی مغربی محققین کو اسلامی تہذیب کی اچھائیوں کا ذکر کرنا پڑتا ہے۔ تو وہ بہت اختصار سے اور بادل نا خواستہ بیان کرتے ہیں۔

ثالثاً: اسلامی علمی سرمایوں پر مسلمانوں کے اعتماد میں ضعف پیدا کرنا اور مسلمانوں کے پاس جو عادات و اطوار، اقدار و روایات، عقائد و نظریات اور اعلیٰ اخلاقی نمونے ہیں ان میں شکوک و شبہات پیدا کرنا اور انھیں اس طرح مشکوک اور ناقابل عمل بتانا کہ مسلمانوں کو خود اپنے ہی عقائد و نظریات میں شک ہونے لگے، تاکہ مسلمانوں پر سامراجیت کو منظم اور مستحکم طریقے سے مسلط کرنا آسان ہو جائے اور ان کے درمیان مغربی تہذیب و ثقافت کو پھیلانا آسان ہو جائے تاکہ مسلمانوں کے دلوں سے

اسلامی تہذیب و ثقافت کا اثر و رسوخ نکال کر مغربی تہذیب و تمدن کی محبت کو داخل کیا جاسکے اور مسلمانوں کے دلوں میں مغربی تہذیب سے مقابلے کے جذبہ کو کمزور سے کمزور کر دیا جاسکے۔

رابعاً: ورود اسلام سے قبل کی وطنیت (قومیت) کو زندہ کر کے عوام کے درمیان اختلافات کی آگ بھڑکا کر مختلف مسلم ممالک کے لوگوں کے درمیان اسلامی اخوت اور بھائی چارگی کا خاتمہ کرنا جیسا کہ مغرب کے لوگ عرب ملکوں میں کرتے ہیں کہ ان کے شیرازہ کو منتشر کرنے کے لیے ہر ممکن کوشش کرتے ہیں اور عرب ملکوں کے اتحاد و یکتائیت کو برباد کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیتے ہیں۔ حقائق کی تحریف و تبدیل کے لیے ان کے ذہن و دماغ میں جو بھی حربہ آتا ہے اس کو استعمال کرتے ہیں، اور ماضی کی تاریخ میں مثبت شدہ شاذ و نادر حوادث کو لے کر ایک ایسی نئی تاریخ کی تشکیل دیتے ہیں جو عرب ممالک کے درمیان یکتائیت اور یگانگت میں روڑا بن سکے اور عرب ممالک کی عوام کے مابین حق و عدل اور خیر و خوشحالی کی شرکت میں رکاوٹ بن سکے۔

(۳) خالص علمی اغراض و مقاصد: جن کا مقصد صرف اور صرف بحث و تحقیق ہے اور اسلامی اور عربی تراش کا ایسا مطالعہ کرنا ہے جس سے بعض مخفی حقائق ان پر اجاگر ہوتے ہیں اور اس قسم کے مستشرقین کی تعداد بہت کم ہے۔ یہ مستشرقین اپنی بحث و تحقیق میں اخلاص کے باوجود غلطیوں اور حق سے بعید مستبذ نتائج سے محفوظ نہیں رہتے ہیں، اس کی وجہ یا تو یہ ہے کہ وہ عربی زبان کے اسلوب سے ناواقف ہیں یا یہ کہ وہ تاریخ



اسلامی کی فضا اور ماحول سے حقیقت میں آشنا ہی نہیں ہیں۔ چنانچہ وہ اسلامی معاشروں کا تصور اسی طرز پر کرتے ہیں جس طرح ان کے معاشروں کا تصور ان کے ذہنوں میں ہوتا ہے۔ اس طرح وہ طبعی، نفسیاتی اور زمانے کے ان سارے فروق کو بھول جاتے ہیں جو ان کے زیر مطالعہ تاریخی ماحولیات کے درمیان اور ان کے بود و باش کے ماحولیات کے درمیان امتیاز پیدا کرتے ہیں۔

یہ جماعت تینوں جماعتوں میں سب سے بہترین مقاصد کی حامل ہے اور اس کے خطرے بھی کم ہیں کیوں کہ یہ جماعت حق کے واضح ہوتے ہی اس کی طرف رجوع کر لیتی ہے اور بعض مستشرقین اپنی تمام تر فکر و نظر اور قلب و نگاہ کے ساتھ اسی ماحول کے ہو کر رہ جاتے ہیں جو ماحول کہ ان کے زیر تحقیق ہوتا ہے لہذا ہوتا یہ ہے کہ وہ ایسے نتائج تک پہنچتے ہیں جو عین حق ہو اور صدق و واقع کے عین مطابق ہو لیکن اس قسم کے مستشرقین سابقہ دونوں بُرے مقاصد کی حامل جماعتوں کے ظلم و تشدد کا نشانہ بن جاتے ہیں اور یہ دونوں جماعتیں فوراً انہیں علمی منہج سے منحرف یا جذبات سے کام کرنے والا اور مسلمانوں کی دلجوئی اور ان کا قرب حاصل کرنے والا گردانے لگتی ہیں۔ جیسا کہ ”توماس“ اور ”ارنولڈ“ کے ساتھ یہی سلوک اختیار کیا گیا جب انہوں نے اپنی عظیم الشان کتاب ”الدعوة إلى الإسلام“ میں مسلمانوں کے ساتھ انصاف سے کام لیا اور ہر زمانے میں مختلف ادیان کے پیروکاروں کے ساتھ مسلمانوں کے حسن سلوک کو مدلل طور پر ثابت کیا اور مسلمانوں کے ساتھ دیگر ادیان کے متبعین کے طرز تعامل کو بھی بیان کیا۔

درحقیقت ان کی یہ کتاب اسلام میں دینی تسامح کی تاریخ کے سلسلے میں سب سے زیادہ معتمد اور سب سے زیادہ تحقیقی مرجع کی حیثیت سے تسلیم کی جاتی ہے لیکن متعصب مستشرقین خصوصاً عیسائی مبلغین کی ان کے بارے میں یہ تنقید ہے کہ اس کتاب کا مؤلف مسلمانوں کی محبت اور جذبہ مہربانی سے سرشار تھا جب کہ اس کتاب کے مصنف نے اس کتاب کے ایک ایک واقعہ کو اس کے حوالے کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

مستشرقین میں سے بعض ایسے بھی ہیں جنہوں نے حق تک رسائی کے لیے اسلام کو اپنایا اور اسلام کے دفاع میں اہل مغرب کے حلقوں میں اپنی علمی تحقیقات کو پیش کیا جیسا کہ مشہور فرانسیسی آرٹسٹ مستشرق ”دیوید“ نے کیا، جو ”البحیرا“ کا مقیم تھا جب اس نے اسلامی علوم و فنون کا مطالعہ کیا تو اتنا متاثر ہوا کہ قبول اسلام کا اعلان کر دیا اور اپنا اسلامی نام ”ناصر الدین دینیہ“ منتخب کیا۔ حضور تاجدارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ پر اس نے ایک جزائری عالم سے مل کر ”أشعة خاصة بنور الإسلام“ نامی کتاب بھی تصنیف کیا۔ اس کتاب میں ”ناصر الدین دینیہ“ نے اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف اپنی قوم کی زیادتیوں اور جانبدارانہ رویوں کو بہت ہی کھلے لفظوں میں بے نقاب کیا ہے۔ اس مسلم مستشرق نے فرانس میں وفات پائی لیکن اس کی لاش کو ”البحیرا“ منتقل کیا گیا اور وہیں اس کو دفن کیا گیا۔

## اغراض و مقاصد کی تکمیل کے لیے مستشرقین کے اسباب و وسائل

مستشرقین نے اپنے عقائد و نظریات افکار اور تحقیقات کی نشر و اشاعت کے لیے ہر ممکنہ وسائل کا استعمال کیا۔ چند وسائل کا ذکر ضروری سمجھتا ہوں۔

(۱) مذہب اسلام، اسلامی رجحانات و خیالات، پیغمبر اسلام اور دین اسلام کی مقدس کتاب قرآن پر مختلف موضوعات پر کتابیں تصنیف کرنا، جن میں سے اکثر تصانیف میں نصوص و عبارات کی نقل اور تاریخی واقعات کے فہم و ادراک اور ان سے نتیجہ اخذ کرنے میں ایک منظم پلان کے تحت مستشرقین نے تحریف و تبدیل اور علمی خیانت کا ثبوت دیا ہے۔

(۲) مستشرقین نے اپنے اغراض و مقاصد کے حصول کے لیے دوسرا طریقہ یہ اپنایا کہ مذہب اسلام، اسلامی ممالک اور قوم مسلم پر جو ان کی تحقیقات ہیں ان کی نشر و اشاعت کے لیے خصوصی طور پر ماہنامے جاری کیے۔

(۳) عالم اسلام میں عیسائی تبلیغی مشن کو اس طرح پیش کرنا کہ اس میں بظاہر انسانی فائدہ اور خدمت خلق نظر آئے مثلاً ہاسپٹل کی تعمیر، آرگنائزیشنس، اسکول، پناہ گاہ، یتیم خانے اور سرائے وغیرہ کی تعمیر، اور وقتاً فوقتاً کھانے کی پارٹیوں کا اہتمام کرنا اور مسیحی نوجوانوں کے لیے تنظیمیں قائم کرنا وغیرہ وغیرہ۔

(۴) یونیورسٹیوں اور علمی اداروں میں لکچرز کا اہتمام کرنا، یہاں قابل افسوس اور باعث حیرت بات یہ ہے کہ اسلام کے بارے میں لکچر دینے کی غرض سے اسلام کے سب سے زیادہ خطرناک، متعصب اور سخت ترین دشمن مقررین کو قاہرہ، دمشق، بغداد،

رباط، کراچی، لاہور، اور علی گڑھ جیسی اسلامی اور عربی یونیورسٹیوں میں مدعو کیا جاتا رہا ہے۔ (۵) مقامی اخباروں میں تحریفات پر مبنی اپنے مقالات و مضامین شائع کروانا، اس کے لیے انہوں نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ ہمارے ملکوں کے چند مقامی اخباروں کو خرید لیا۔ چنانچہ اس موضوع پر ڈاکٹر عمر فروخ اور ڈاکٹر مصطفیٰ الخالدی کی تصنیف کردہ کتاب ”التبشير والاستعمار“ لے بہت ہی معلومات افزا تاریخی دستاویزوں کا مجموعہ ہے اور حقیقت تو یہ ہے کہ یہ کتاب سامراجیت کے فروغ و ترقی کے لیے مستشرقین اور مشنریز کی طرف سے کی گئی خدمات پر روشنی ڈالنے کے لیے کافی دوانی ہے۔ آئیے اسی کتاب کا ایک پیرا گراف ملاحظہ کرتے چلیں۔

”یعلن المبشرون أنهم استغلو الصحافة المصرية على الأخص للتعبير عن الآراء المسيحية أكثر مما استطاعوا في أي بلد إسلامي آخر، لقد ظهرت مقالات كثيرة في عدد من الصحف المصرية، إمام أجورة في أكثر الأحيان، أو بلا أجره في أحوال نادرة“

”عیسائی مبلغین یہ اعلان کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنے عیسائی افکار

و نظریات کی نشر و اشاعت کے لیے دوسرے اسلامی ممالک کے بہ نسبت

مصری صحافت کو خاص طور پر سب سے زیادہ استعمال کیا ہے۔ مصری

۱۔ مذہب اسلام پر لکچر دینے کے لیے ہر پڑھے لکھے اور تعلیم یافتہ مسلمانوں کو یہ کتاب ضرور پڑھنا چاہیے، یہ کتاب بیروت لبنان سے دوسرے شائع ہو چکی ہے، ماضی میں بعض سامراجیت کے حامی عناصر شام جیسے عربی اور اسلامی ملک میں اس کی اشاعت پر پابندی لگوانے کی کوششیں کر چکے ہیں۔

اخباروں میں ان کے بہت سارے مقالات اور مضامین شائع ہو چکے ہیں، یا تو اجرت کے بدلے جیسا کہ اکثر ہوتا آیا ہے یا بغیر اجرت کے جو کہ نادر ہے۔“

(۶) کانفرنسوں کو منعقد کرنا، تاکہ مستشرقین اپنے ان منصوبوں اور عزائم کو پختہ اور مضبوط کر سکیں جن کو بظاہر وہ علمی تحقیقات کا نام دیتے ہیں۔ مستشرقین کی اس طرح کی منصوبہ بند کانفرنسیں ۱۸۳۷ء سے لے کر آج تک منعقد ہوتی چلی آرہی ہیں۔

(۷) اسلامک انسائیکلو پیڈیا تیار کرنا، مستشرقین اب تک اس کو کئی زبانوں میں شائع کر چکے ہیں اور اب اس کا نیا ایڈیشن بھی جاری کرنے لگے ہیں۔

۱۹۵۶ء میں جب میں آکسفورڈ گیا اور اسلامک انسائیکلو پیڈیا کے سکریٹری سے ملاقات کی تو اس کے دوسرے ایڈیشن کے پہلے جزء پر میں مطلع ہوا اور اب اس کے پہلے ایڈیشن کا عربی ترجمہ شروع ہو چکا ہے۔ اب تک اس کی تیسرا جلدیں شائع ہو چکی ہیں۔ اس انسائیکلو پیڈیا کو اسلام دشمن عناصر اور متعصب قسم کے مستشرقین نے ترتیب دیا ہے، اور حقیقت بات تو یہ ہے کہ انہوں نے شہد میں زہر گھولنے کے مرادف کام کیا ہے۔ اسلام اور اس سے متعلق عقائد و نظریات کے بارے میں جھوٹی اور غلط باتوں کو بھر دیا ہے۔ نہایت ہی افسوسناک بات ہے کہ ہمارے مذہب کے تعلیم یافتہ حضرات اس کو ایک مرجع کی حیثیت سے تسلیم کرتے ہیں اور اس کو ثقہ سمجھتے ہیں۔ لیکن یہ ان تعلیم یافتہ حضرات کی کوتاہی، کم علمی اور اسلامی ثقافت سے ناواقفیت کے سوا کچھ نہیں ہے۔

یہ تھے مستشرقین کے اغراض و مقاصد اور اسباب و وسائل سے متعلق مختصر کلمات جن کو میں نے ابھی صفحہ قرطاس پر تحریر کیا۔

اب میں چاہتا ہوں کہ دور حاضر کے متعصب مستشرقین، غلط بیانیوں سے پُر ان کی اہم کتابوں اور ان کے ان مسموم اور ایمان سوز اخبار و رسائل کا بھی ذکر کرتا چلوں جن کو وہ بڑے بڑے سامراجی ملکوں میں اپنے دور سامراجیت میں شائع کرتے رہے ہیں تاکہ قارئین کرام مکمل طور پر اس سے اپنی تشنگی بجھا سکیں!

## مستشرقین کے اہم اخبارات و رسائل

(الف) ۱۸۷۸ء میں فرانسیسیوں نے مستشرقین کی ایک جمعیت قائم کی اور ۱۸۲۰ء میں اس کو ایک دوسری جمعیت کے ساتھ ضم کر دیا پھر اس کے زیر سرپرستی ایشین میگزین "Asian Magazine" "المجلة الآسیویة" نامی رسالہ جاری کیا۔

(ب) ۱۸۴۳ء میں لندن "London" میں مشرقی علوم کی تحقیق کی غرض سے ایک تنظیم کا قیام عمل میں آیا۔ بادشاہ نے بذات خود اس کی سرپرستی قبول کی اور اس تنظیم کی جانب سے "مجلة الجمعية الآسیویة الملكية" نام کا رسالہ شائع ہونے لگا۔

(ج) ۱۸۴۴ء میں امریکیوں نے ایک جمعیت کی بنیاد ڈالی اور "الجمعية" مستشرقین کے اخبارات و رسائل، مشہور مستشرقین کے اسماء اور ان کی کتابوں کی فہرست ڈاکٹر محمد امینی کی کتاب "المبشرون والمستشرقون و موقفهم من الإسلام" سے ماخوذ ہے۔

الشرقية الأمريكية“ نامی رسالہ شائع کیا، اسی سال جرمن کے مستشرقین نے اپنا ایک خاص رسالہ شائع کیا اسی طرح آسٹریا "Austria" اٹلی "Italy" اور "Russia" کے مستشرقین نے بھی رسالے اور ماہنامے جاری کیے۔

(د) ”مجلة جمعية الدراسات الشرقية“ یہ ان رسالوں میں سے ایک ہے جن کو مستشرقین نے اسی صدی میں جاری کیا ہے۔ یہ اوہیو "Ohio" کے شہر گیمبرز "Gambier" سے شائع ہو رہا تھا، لندن "London" پیرس، "Paris" اور کناڈا "Canada" کے شہر ٹورنٹو "Toronto" میں اس کی کئی شاخیں ہیں، لیکن وثوق سے یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ رسالہ اب بھی شائع ہو رہا ہے یا بند ہو چکا ہے۔ البتہ اتنا ضرور ہے کہ ان سارے رسائل کا عام رنگ و مزاج وہی سیاسی استشراتی مزاج ہی ہوتا ہے، اگرچہ یہ وقتاً فوقتاً بعض دینی مسائل اور خصوصی کتابوں کے بارے میں بیانات بھی جاری کرتے رہتے ہیں۔

(ھ) عصر حاضر میں امریکی مستشرقین ”مجلة شئون الشرق الأوسط“ اور ”مجلة الشرق الأوسط“ نامی رسالہ جاری کر رہے ہیں اور اس کو سیاسی استشراتی کے طرز پر شائع کرتے ہیں۔

(و) دور حاضر میں امریکی مستشرقین کا سب سے خطرناک اور زہریلا رسالہ ”العالم الإسلامي“ "The Muslim World" ہے صمویل زویمر "Zweimer" نے ۱۹۱۱ء میں اس کی بنیاد رکھی اور اس وقت یہ رسالہ امریکہ "America" کے شہر ہارٹفورڈ

”Hartford“ سے شائع ہو رہا ہے۔ اس رسالہ کا مدیر اعلیٰ کینتھ کریگ "K. Cragg" نامی ایک شخص ہے اور اس رسالہ میں کھلے طور پر مشنری روح کا فرما ہوتی ہے۔

(ز) فرانسیسی مستشرقین کا بھی "The Muslim World" اسی طرح ایک رسالہ ہے جو اپنی معنویت، مشنری ورک "Missionary Work" اور اسلام مخالف خیالات و نظریات کے اعتبار سے ”العالم الإسلامي“ نامی رسالہ سے کافی حد تک ملتا جلتا ہے۔

عصر حاضر کے متعدد مستشرقین اور ان کی اہم کتابوں کے اسماء

(۱) اے۔ جے۔ اربیری "A.J. Arberry": یہ انگریز مستشرق ہے۔ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اس کا تعصب بہت مشہور ہے ”دائرة المعارف الإسلامية" "The Encyclopaedia of Islam" کے لکھنے والوں میں اس کا نام سرفہرست ہے۔ اس وقت وہ کیمبرج یونیورسٹی "Cambridge University" میں پروفیسر ہے، اور مقام افسوس تو یہ ہے کہ اکثر مصری طلباء جو انگلینڈ "England" میں الدراسات الإسلامية و اللغوية "Islamic and Studies Language" کے فارغ ہیں وہ ان کا استاد ہے۔

اس کی تصنیفات درج ذیل ہیں

نمبر شمار اسماء سن طباعت

۱ الإسلام اليوم ۱۹۴۳ء

۲	مقدمة لتاريخ التصوف	۱۹۴۷ء
۳	التصوف	۱۹۵۰ء
۴	ترجمة القرآن	۱۹۵۰ء

(۲) الفرڈ جیوم "A. Geom" یہ بھی دور حاضر کا انگریز مستشرق ہے۔ اسلام کے خلاف تعصب میں بہت مشہور ہے۔ انگلینڈ اور امریکہ کی کئی یونیورسٹیز میں لکچر دے چکا ہے۔ اس مستشرق کی تحریر اور افکار و نظریات پر ہمیشہ عیسائی تبلیغ کارنگ غالب رہا ہے، اور قابل افسوس بات تو یہ ہے کہ اکثر طلباء جنہیں مصری حکومت نے مشرقی زبانوں کی تعلیم کے لیے بھیجا ہے وہ سب اس کے شاگرد ہیں۔ اس کی مشہور و معروف تصنیف "الإسلام" ہے

(۳) بیرن کاراڈی وکس "Baron Carrade Vaus" یہ فرانسیسی مستشرق ہے۔ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف بہت ہی متعصبانہ نظریہ رکھتا ہے۔ "The Encyclopaedia of Islam" کی تحریر میں بہت ہی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے۔

(۴) ایچ۔ اے۔ آر۔ گب "H.A.R. Gibb" یہ انگلینڈ کے موجودہ مستشرقین میں سب سے بڑا مستشرق ہے۔ مصر میں "المجمع اللغوي" کا ممبر رہ چکا ہے۔ فی الحال وہ امریکہ کی ہارٹفورڈ یونیورسٹی میں "الدراسات الإسلامية والعربية" "Islamic and Arabic Studies" کا پروفیسر ہے۔ اس مستشرق نے "The Encyclopaedia of Islam" کی تحریر و اشاعت میں زبردست کردار ادا کیا ہے۔ اس کی تصنیفات کثیر تعداد

میں ہیں جو بہت ہی شہرت اور اہمیت کی حامل ہیں اور یہی اس کی عظمت و شہرت کا راز بھی ہے۔

اس کی کتابیں مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) "طريق الإسلام" اس کتاب کو اس نے مشترکہ طور پر تصنیف کیا ہے اور انگلش سے عربی میں ترجمہ کے بعد اس کا نام "طريق الإسلام" منتخب کیا گیا۔

(۲) "الاتجاهات الحديثة في الإسلام" ۱۹۴۷ء میں یہ کتاب منظر عام پر آئی۔ دوسرا ایڈیشن بھی نکل چکا ہے اس کتاب کا نام عربی میں ترجمہ کے بعد "الاتجاهات الحديثة في الإسلام" رکھا گیا ہے۔

(۳) "المذهب المحمدي" یہ کتاب ۱۹۴۷ء میں شائع ہوئی ہے اس کا دوسرا ایڈیشن بھی آچکا ہے۔

(۴) "الإسلام والمجتمع الغربي" یہ کتاب کئی جلدوں میں شائع ہوئی ہے۔ اس کی تالیف میں بھی کئی حضرات شریک رہے ہیں۔ ان کے علاوہ اس مستشرق کے مختلف موضوعات پر کئی مضامین اور مقالات بھی ہیں۔

(۵) گولڈزہر "Gold zihar" بہت ہی مشہور زمانہ مستشرق ہے۔ اس کی اسلام دشمنی اور اسلام کے خلاف اس کی زہر آلود اور دل دکھانے والی تحریریں کسی پر مخفی نہیں ہیں۔ اسلامی انسائیکلو پیڈیا "The Encyclopaedia of Islam" کے لکھنے والوں میں سے ایک ہے۔ قرآن کریم اور احادیث نبویہ پر اس مستشرق نے بہت کچھ تحریر

کیا ہے ”تاریخ مذهب التفسیر الاسلامی“ اسی کی تصنیف ہے جس کا عربی ترجمہ اسی نام سے ہو چکا ہے۔

(۶) جون مائرڈ "Jone Maynard" یہ متعصب امریکی مستشرق ہے۔ امریکی رسالہ ”مجلة جمعية الدراسات الشرقية“ کی تحریر و اشاعت میں برابر حصہ لیتا رہا ہے۔ خصوصاً اس باب میں جو ان نئی کتابوں کے لیے مخصوص ہے جو اسلام اور مشرق کے ماحول و تواریخ سے تعلق رکھتی ہیں (مزید معلومات کے لیے ۱۹۲۲ء میں جاری شدہ ماہ اپریل کے شمارہ کا بائیسواں صفحہ ملاحظہ کیجئے اور اسی رسالہ میں اپریل کے بعد شائع شدہ دو شماروں کا بھی مطالعہ کریں۔

(۷) ایس۔ ایم۔ زویر "S.M. Zweimer" اس مستشرق کا نام مشنریز مستشرقین میں آتا ہے۔ اس کی اسلام دشمنی کی شدت بہت معروف ہے یہی وہ مستشرق ہے جس نے امریکی مشنری رسالہ ”العالم الإسلامي“ "The Muslim World" کی بنیاد ڈالی ہے ”الإسلام تحد لعقيدة“ نامی اس کی مشہور کتاب ہے جو کہ ۱۹۰۸ء میں منظر عام پر آئی، اور یہی مستشرق ”الإسلام“ نامی کتاب کا بھی ناشر ہے جو درحقیقت اس کے ان مقالات کا مجموعہ ہے جس کو اس نے ہندوستان کے مشہور تاریخی شہر لکھنؤ "Lucknow" میں ۱۹۱۱ء میں منعقد دوسری مشنری کانفرنس میں پیش کیا تھا۔ اور اس کی انہیں مشنری کوششوں کے اعزاز میں امریکی عوام نے ایک وقف بورڈ بھی قائم کیا جو اسی کے نام سے موسوم ہے۔ جس کا مقصد صرف اور صرف عقیدے کی درس و تدریس

اور مشنریز کی ٹریننگ ہے۔

(۸) عزیز عطیہ سوریال۔ یہ مصری عیسائی ہے ایک زمانے میں یہ اسکندریہ یونیورسٹی، اسکندریہ، مصر "Alexandria University" میں پروفیسر تھا۔ لیکن اس وقت یہ امریکہ کی ایک یونیورسٹی میں پروفیسر ہے۔ اسلام اور مسلم دشمنی اس کے اندر کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ اسلامی تعلیمات میں اس نے بہت کانٹ چھانٹ کیا ہے۔ مصر اور مسلمانوں سے دور ہونے کے سبب اسلام دشمنی اور تحریف و تغیر کا بڑا اچھا موقعہ پایا ہے۔ صلیبی جنگوں سے متعلق اس کی کچھ کتابیں بھی ہیں۔

(۹) جی۔ فون۔ گرنم "G. Von. Grunbaum" یہ جرمنی کا اصلی باشندہ ہے اور یہودی مستشرق ہے۔ امریکن یونیورسٹی میں اسکو لکچر دینے کے لیے بلایا جاتا تھا۔ حالاں کہ وہ شیکاگو یونیورسٹی میں پروفیسر تھا۔ اسلام کا کٹر دشمن ہے اس کی جتنی بھی تحریریں ہیں سب بیہودہ اور بے بنیاد باتوں سے بھری پڑی ہیں۔ اس نے مسلمانوں اور اسلامی اقدار و روایات کو اپنی تحریروں میں ظلم و ستم کا نشانہ بنایا ہے۔ بہت سارے تحریری کام بھی کیا ہے مستشرقین اس کو بہت پسند کرتے ہیں۔ مندرجہ ذیل کتابیں اسی کے زور قلم کا نتیجہ ہیں۔

نمبر شمار	اسماء کتب	سن طباعت
۱	إسلام العصور الوسطی	۱۹۴۶ء
۲	الأعياد المحمدية	۱۹۵۱ء

- ۳ محاولات في شرح الإسلام المعاصر ۱۹۴۷ء  
 ۴ دراسات في تاريخ الثقافة الإسلامية ۱۹۵۴ء  
 ۵ الوحدة والتنوع في الحضارة الإسلامية ۱۹۵۵ء  
 ۶ الإسلام ۱۹۵۷ء
- ”الإسلام“ یہ اس کے مختلف مقالات کا مجموعہ ہے

(۱۰) فیلیپ ہٹی ”Ph. Hitti“ یہ لبنانی عیسائی ہے جو امریکی ہو گیا ہے۔ امریکہ میں ”پرسٹون یونیورسٹی“ میں ”قسم الدراسات الشرقية“ کا پروفیسر تھا، بعد میں وہ اسی ڈپارٹمنٹ کا چیرمین ہو گیا اور اب وہ پنشن پر زندگی بسر کر رہا ہے۔ اسلام کا بہت ہی سخت ترین دشمن ہے۔ امریکہ میں عرب مسائل کے دفاع کی نمائش کرتا ہے اور مشرق وسطیٰ کے معاملات کے سلسلے میں امریکی وزارت خارجہ کا غیر سرکاری مشیر ہے، اس کی ہمیشہ یہ کوشش ہوتی ہے کہ انسانی ثقافت کی تعمیر میں اسلام کے کردار کو مجروح کرے، وہ کسی بھی فضیلت و عظمت کو مسلمانوں کی طرف منسوب کرنا گوارہ نہیں کرتا ہے۔ مثلاً اس نے ۱۹۴۸ء میں شائع شدہ ”دائرة المعارف الأمريكية“ میں ”الأدب العربي“ کے عنوان کے تحت صفحہ ۱۲۹ پر تحریر کیا ہے۔

”ولم تبد أ أمارات الحياة الأدبية الجديدة بالظهور إلا في القسم الأخير من القرن التاسع عشر، وكان الكثرة من قادة هذه الحركة الجديدة نصاري من لبنان“ تعلموا واستوحوا من جهود

### المبشرين الأمريكيين

”اور عرب کے یہاں جدید ادبی زندگی کے آثار و علامات انیسویں صدی کے اخیر میں ظاہر ہونا شروع ہوئے۔ اس نئی تحریک کے قائدین کی اکثریت لبنان کے نصاریٰ کی تھی جنہوں نے امریکن مشنریز سے تعلیم و تربیت حاصل کی اور جن کے افکار و نظریات کی تشکیل مستشرقین کی تعلیمات سے ہوئی“

مستشرق ”فلیپ ہٹی“ کی اسلام اور مسلمانوں کی اہمیت و عظمت کو گھٹانے کی کوششیں صرف دور جدید ہی پر منحصر نہیں ہیں بلکہ وہ تاریخ اسلامی کے سارے ادوار پر منطبق ہوتی ہیں جیسا کہ مندرجہ ذیل کتابوں میں یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے۔

(۱) ”تاریخ العرب“ یہ کتاب انگلش زبان میں شائع ہوئی ہے۔ اب تک اس کے معتدداؤں میں منظر عام پر آچکے ہیں اس کتاب میں اسلام پر طعن و تشنیع اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے ساتھ مذاق و تمسخر جا بجا نظر آتا ہے جو مؤلف کے نظریہ بغض و حسد اور اسلام دشمنی پر واضح دلیل ہے۔ مزید معلومات کے لیے مطالعہ کیجیے کراچی پاکستان سے شائع شدہ ”الإسلام“ Al-Islam نامی انگلش رسالہ ۱۹۵۸ء ماہ اپریل کے شمارہ کا ایک سواڑ تیسواں (۱۳۸) صفحہ اور ۱۹۵۸ء ماہ مئی کے شمارہ کا ایک سو چھیالیسواں (۱۴۶) صفحہ۔ اسلام اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر کئے گئے طعن و تشنیع کو پڑھ کر دل مجروح ہو جاتا ہے۔

(۲) تاریخ سوریا۔

(۳) أصل الدر و ذ و ديانتهم ، سن طباعت ۱۹۲۸ء

(۱۱) اے۔ جے۔ وینسک "A.J. Wensink" اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا بہت ہی کٹر دشمن ہے "المجمع اللغوي المصري" کا ایک زمانے میں رکن تھا لیکن جب ڈاکٹر حسین الہواری (جو "المستشرقون والإسلام" نامی کتاب کے مصنف ہیں۔ سن طباعت ۱۹۳۶ء) نے اس کی بدینتی کے بارے میں مسئلہ اٹھایا تو اسی مسئلہ کے بعد اسے "المجمع اللغوي المصري" کی رکنیت سے برطرف کر دیا گیا۔ یہ واقعہ اس وقت پیش آیا جب "وینسک" مستشرق نے قرآن مقدس اور رسول اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے یہ دعویٰ کیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن سے پہلے دینی اور فلسفیانہ قسم کی کتابوں کے نچوڑ اور خلاصہ سے قرآن کی تالیف کی ہے مزید معلومات کے لیے "المستشرقون والإسلام" صفحہ ۱۷ اور اس کے بعد کے اوراق کا مطالعہ کریں۔ ۱۹۳۲ء میں "وینسک" کی "عقیدۃ الإسلام" نامی شائع ہونے والی کتاب انہیں بے بنیاد دعوؤں پر مشتمل ہے جو بہت ہی مشہور و معروف ہے۔

(۱۲) کینتھ کریگ "K.Cragg" یہ بہت بڑا مسلم دشمن اور متعصب قسم کا امریکی مستشرق ہے ایک عرصہ تک اس نے امریکن یونیورسٹی، قاہرہ، مصر "American University Cairo Egypt" میں درس و تدریس کا کام انجام دیا ہے اور اس وقت وہ

امریکی مشنری رسالہ "العالم الإسلامي" کا مدیر اعلیٰ ہے اور ہارٹفورڈ یونیورسٹی "Hartford University" کے قسم اللاہوت المسيحي "Department of Christian Theology" کا چیرمین اور مشنریز کا مربی ہے۔ ۱۹۵۶ء میں شائع ہونے والی "دعوة المئذنة" نامی کتاب اسی مستشرق کی تالیف ہے۔

(۱۳) لوئی میسگن "L.Massignon" موجودہ دور کے فرانسیسی مستشرقین میں سب سے بڑا مستشرق ہے۔ نارتھ افریقہ "North Africa" میں "مسنری آف فرانسیسی کا لونیز" کا مشیر ہے اور مصر میں جو سرگرم فرانسیسی مشنری تنظیمیں قائم ہیں ان کا وہ روحانی سرپرست ہے۔ اسلامی دنیا کا وہ کئی بار دورہ کر چکا ہے۔ پہلی جنگ عظیم میں پانچ سال تک فرانسیسی فوج میں ملازمت کی ہے۔ مصر میں "المجمع اللغوي" اور دمشق شام میں "المجمع العلمي العربي" کا ممبر رہ چکا ہے۔ فلسفہ اور اسلامی تصوف پر اس نے تخصص کیا ہے۔ ۱۹۲۲ء میں شائع ہونے والی "الحلاج الصوفي الشهيد في الإسلام" نامی کتاب اسی کی تصنیف ہے، فلسفہ اور تصوف پر اس کی دوسری کتابیں اور تحقیقات بھی ہیں۔ انسائیکلو پیڈیا آف اسلام "The Encyclopaedia of Islam" کے لکھنے والوں میں اس کا نام سرفہرست ہے۔

(۱۴) ڈی۔ بی۔ میکڈونلڈ "D.B. Macdonald" یہ امریکی مستشرق ہے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف تشدد اور متعصب قسم کے مستشرقین میں سے ایک ہے۔ اس کی تحریروں میں جگہ جگہ مشنری روح کا جلوہ نظر آتا ہے۔ انسائیکلو پیڈیا آف اسلام "The Encyclopaedia of Islam" کے اہم قلم کاروں میں سے ہے۔ اس کی چند کتابیں



درج ذیل ہیں۔

(۱) ”تطور علم الکلام والفقه والنظرية الدستورية في

الإسلام“ سن طباعت ۱۹۰۳ء

(۲) ”الموقف الديني والحياة في الإسلام“ سن طباعت ۱۹۰۸ء

(۱۵) ایم۔ گرین "M. Green" ”الشرق الأوسط“ نامی رسالہ کا سکریٹری ہے۔

(۱۶) مجید قدوری۔ یہ عراقی عیسائی ہے واشنگٹن میں ”جون ہوکنز یونیورسٹی“ میں ”

قسم در اسات الشرق الأوسط“ کا چیرمین اور ”معهد الشرق الأوسط

للأبحاث والتربية“ کا مدیر ہے۔ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اس مستشرق کے

دل میں حسد و تعصب اور بغض و کینہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔ اس کی ایک کتاب بنام ”

الحرب والسلام في الإسلام“ ۱۹۵۵ء میں منظر عام پر آئی تھی جو طعن و تشنیع اور

غلطیوں سے پر تھی، اس نے دوسرے مقالات و مضامین بھی تحریر کئے ہیں۔

(۱۷) ڈی۔ ایس مرگولیوتھ "D.S. Margoliouth" یہ انگریز مستشرق ہے اسلام

کے خلاف بہت متعصبانہ نظریہ رکھتا ہے۔ انسائیکلو پیڈیا آف اسلام "The

"Encyclopaedia of Islam" کے قلم کاروں میں سے ہے۔ مصر میں ”المجمع

اللغوي“ اور دمشق (شام) میں ”المجمع العلمي“ کا رکن تھا اس کی معروف کتابیں

درج ذیل ہیں۔

نمبر شمار

اسماء کتب

سن طباعت

۱ التطورات المبكرة في الإسلام

۱۹۱۳ء

۲ محمد و مطلع الإسلام

۱۹۰۵ء

۳ الجامعة الإسلامية

۱۹۱۲ء

(۱۸) آر۔ اے۔ نیکلسن "R.A. Nickolson" انگلینڈ میں اپنے دور کے

مستشرقین میں سب سے بڑا مستشرق تھا، انسائیکلو پیڈیا آف اسلام "The

"Encyclopaedia of Islam" کی تحریر میں یہ بھی پیش پیش تھا۔ فلسفہ اور اسلامی

تصوف میں اس نے تخصص کیا تھا مصر میں ”المجمع اللغوي“ کا رکن تھا یہ اسلام کو

روحانی مذہب نہیں تسلیم کرتا تھا بلکہ اسلام کو مادیت سے متصف کرتا تھا اور اس کا نظریہ

ہے کہ اسلام میں انسانی عظمت کا فقدان ہے اس کی چند کتابیں درج کی جاتی ہیں۔

(۱) متصوفو الإسلام سن طباعت ۱۹۱۰ء

(۲) التاريخ الأدبي للعرب سن طباعت ۱۹۳۰ء

(۱۹) ہارٹی ہول۔ یہ امریکی رسالہ ”مجلة الشرق الأوسط“ کا مدیر اعلیٰ ہے، اس

کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ مشرق وسطیٰ کے سیاسی اور دور جدید کے

ثقافتی امور میں دلچسپی رکھنے والے رسائل میں سے ایک اہم رسالے کی باگ ڈور اس

کے ہاتھ میں ہے۔

(۲۰) ہنری لیمنز "H. Lammens" فرانس کا باشندہ ہے جو ۱۸۷۲ء میں پیدا ہوا

اور ۱۹۳۷ء میں انتقال کیا۔ انسائیکلو پیڈیا آف اسلام "The Encyclopaedia of

"Islam" میں اس کی بھی تحریر ہے۔ اسلام کے خلاف بہت زیادہ تعصب رکھتا ہے اور

بہت ہی کینہ پرور شخص ہے۔ کذب بیانی، افتراء بازی اور اسلام دشمنی میں اس قدر تجاوز کر گیا کہ خود مستشرقین اس سے تنگ ہو گئے مثلاً ملاحظہ فرمائیں ۹ جنوری ۱۹۲۵ء میں شائع شدہ امریکی رسالہ "مجلة جمعية الدراسات الشرقية" کی پہلی جلد کا صفحہ ۱۵ اور ۱۶، آپ بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ کس قدر اس نے افراط و غلو سے کام لیا ہے۔ فرانسیسی زبان میں اس کی کتابیں مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) "الإسلام" (۲) "الطائف"۔

(۲۱) جوزف شاخت "J. Schacht" یہ جرمن مستشرق ہے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف بہت ہی تشدد اور متعصب قسم کا مستشرق ہے، فقہ اسلامی اور اصول فقہ کے موضوع پر اس کی کئی ایک کتابیں ہیں انسائیکلو پیڈیا آف اسلام "The Encyclopaedia of Islam" اور انسائیکلو پیڈیا آف سوشل سائنسیز "Encyclopaedia of Social Sciences" کے مشہور قلم کاروں میں شمار کیا جاتا ہے۔ اس کی سب سے زیادہ شہرت یافتہ کتاب "أصول الفقه الإسلامي" ہے۔

چند ہر آلود کتابوں کے اسماء جو بعض لوگوں کے نزدیک علمی حیثیت کی حامل ہیں

(۱) انسائیکلو پیڈیا آف اسلام "The Encyclopaedia of Islam" دنیا کی مختلف

زندہ زبانوں میں اس کے ترجمے شائع ہو چکے ہیں اور آج بھی اس کے ایڈیشن مسلسل نکل رہے ہیں۔ بعض حصوں کی نئی طباعت ابھی آئی ہے۔

(۲) شارٹر انسائیکلو پیڈیا آف اسلام "Shorter Encyclopaedia of Islam"

(۳) انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجین اینڈ ایتھکس "Encyclopaedia of Religion and Ethics"

(۴) اسلامی موضوعات سے متعلق مقالات انسائیکلو پیڈیا آف سوشل سائنسیز

"Encyclopaedia of Social Sciences"

(۵) اسلام اور عرب سے متعلق موضوعات: "دراسة في التاريخ" یہ آرئلڈ ٹوئینی "A. Toynbee" کی تصنیف ہے جس میں اسلام اور پیغمبر اسلام سے متعلق بھی ایک باب ہے۔

اسلام اور عرب کے موضوع پر مستشرقین کی کتابیں

نمبر	اسماء کتب	اسماء مصنفین	زبان
۱	حياة محمد	ولیم میور W. Muir	
۲	الإسلام	الفرڈ جیوم A. Geom.	
۳	دين الشيعة	ڈی۔ ایم۔ ڈونلڈسن D.M. Donaldson	

۴	تاریخ شارال الکبیر	بشپ ٹرپن Bishop Turpin	
۵	الإسلام	ہنری لیمنز H.Lammens	بزبان فرانسیسی
۶	الإسلام تحد لعقيدة	ایس۔ ایم۔ زویر S.M. Zweimer	بزبان انگلش
۷	دعوة المئذنة	کینتھ کریگ K.Cragg	بزبان انگلش
۸	الإسلام اليوم	اے۔ جے۔ آربری A. J. Arberry	بزبان انگلش
۹	ترجمة القرآن	اے۔ جے۔ آربری A. J. Arberry	انگلش ترجمہ قرآن
۱۰	تاریخ مذاهب التفسير الإسلامي	گولڈ زیہر Gold zihar	بزبان جرمنی شائع ہوئی ہے اور عربی میں ترجمہ ہوا ہے۔
۱۱	تاریخ العرب	فیلیپ ہٹی Ph. Hitti	انگلش اور عربی زبان میں شائع ہوئی ہے اب تک اس کے کئی ایڈیشن منظر عام پر آچکے ہیں۔
۱۲	اليهودية في الإسلام	ابراہام کاش	بزبان انگلش
۱۳	عقيدة الإسلام	اے۔ جے۔ وینسک A.J.Wensink	بزبان انگلش

۱۴	الحلاج الصوفي الشهيد في الإسلام	لوی میسگنن L. Massignon	بزبان فرانسیسی
۱۵	الحرب والسلام في الإسلام	مجید قدوری	بزبان انگلش
۱۶	تطور علم الكلام والفقه والنظرية الدستورية في الإسلام	ڈی۔ بی۔ میکڈونلڈ D.B. Macdonald	بزبان انگلش
۱۷	الاتجاهات الحديثية في الإسلام	ایچ۔ آر۔ گب H.R. Gibb	اصل کتاب انگریزی میں ہے اور عربی زبان میں اس کا ترجمہ کیا گیا ہے۔
۱۸	طريق الإسلام	ایچ۔ آر۔ گب H.R. Gibb	اس کتاب کو مستشرقین کی ایک ٹیم نے انگریزی زبان میں ترتیب دیا ہے۔ اب اس کا عربی زبان میں ترجمہ بھی ہو چکا ہے۔ مستشرق گب نے اس کتاب میں بھرپور حصہ لیا ہے۔

۲۷	قنطرة إلى الإسلام	اریک - بیتمان	بزبان انگلش
۲۸	إسلام العصور الوسطی	جی۔ وون۔ گرینیم G.Von. Grunebaum	بزبان انگلش
۲۹	الإسلام	جی۔ وون۔ گرینیم G.Von. Grunebaum	یہ کتاب دراصل اس مستشرق کے ان مختلف مقالات کا مجموعہ ہے جو انگلش زبان کے مختلف ماہناموں میں شائع ہو چکے ہیں۔
۳۰	الأعياد المحمدية	جی۔ وون۔ گرینیم G.Von. Grunebaum	بزبان انگلش
۳۱	الوحدة والتنوع في الحضارة الإسلامية	جی۔ وون۔ گرینیم G.Von. Grunebaum	بزبان انگلش
۳۲	دراسات في تاريخ الثقافة الإسلامية	جی۔ وون۔ گرینیم G.Von. Grunebaum	بزبان انگلش
۳۳	محاولات في شرح الإسلام المعاصر	جی۔ وون۔ گرینیم G.Von. Grunebaum	یہ کتاب بھی اس مستشرق کے مختلف مقالات کا مجموعہ ہے جو بزبان انگلش شائع ہوئی ہے۔

۱۹	التصوف في الإسلام	آر۔ اے۔ نیکلسون R.A. Nicholson	انگریزی زبان میں شائع ہوئی ہے اور عربی زبان میں ترجمہ ہوا ہے۔
۲۰	مصادر تاريخ القرآن	آرتھر جفری Arthur Jeffry	بزبان انگلش
۲۱	أصول الإسلام في بيئته المسيحية	آر۔ بل R. Bell	بزبان انگلش
۲۲	مقدمة القرآن	آر۔ بل R. Bell	بزبان انگلش
۲۳	التطورات المبكرة في الإسلام	ڈی۔ ایس۔ مرگولیوتھ D.S. Margoliouth	بزبان انگلش
۲۴	محمد و مطلع الإسلام	ڈی۔ ایس۔ مرگولیوتھ D.S. Margoliouth	بزبان انگلش
۲۵	الإسلام	ڈی۔ ایس۔ مرگولیوتھ D.S. Margoliouth	بزبان انگلش
۲۶	الجامعة الإسلامية	ڈی۔ ایس۔ مرگولیوتھ D.S. Margoliouth	بزبان انگلش

## مستشرقین کے نزدیک تحقیق کے پیمانے

جمہور مستشرقین جب اسلامی شریعت پر کچھ تحریر کرتے ہیں تو بحث و تحقیق کا نہایت ہی عجیب و غریب پیمانہ اختیار کرتے ہیں، جب کہ میدان تحقیق میں یہ بات معروف ہے کہ ایک مخلص عالم یا اسکالر جب کسی چیز کی تحقیق کرنا چاہتا ہے تو وہ اپنے تمام ذاتی خواہشات و میلان سے خالی ہو کر انہی نصوص و مراجع کی تلاش و جستجو میں رہتا ہے جن کی ثقاہت اہل علم کے نزدیک مسلم ہے اور جب وہ بحث و تحقیق اور مقارنہ کے بعد کسی خاص نکتہ پر پہنچتا ہے تو وہ اس کے نزدیک ایسا حتمی نتیجہ ہوتا ہے کہ جس کو تسلیم کرنا ضروری ہوتا ہے۔

لیکن ان مستشرقین کا حال تو یہ ہے کہ یہ پہلے ہی اپنے ذہن میں ایک معین فکر رکھ کر اس کے اثبات کے لیے دلائل کا بے محل استعمال کرتے ہیں اور دلائل کے تتبع کے دوران ان کی صحت کی فکر اتنی نہیں ہوتی ہے جتنی کہ ان کو اپنے شخصی آراء کو مستحکم کرنے کے لیے ان دلائل و براہین سے استفادہ کرنے کی فکر ہوتی ہے۔ اور اکثر تو یہ ہوتا ہے کہ کسی جزئی واقعہ سے امر کلی کا استنباط کرتے ہیں اور اس طرح کے مقامات پر بہت ہی زیادہ شش و پنج میں مبتلا ہو جاتے ہیں جب کہ حقیقت یہ ہے کہ اگر نفس پرستی اور ذاتی اغراض و مقاصد کا دخل نہ ہو تو ان کی ذات کو بہت فائدہ پہنچ سکتا ہے اور ساتھ ہی صحیح نتیجہ تک وصول بھی ممکن ہو سکتا ہے۔ بعض مثالیں اطمینان قلب کے لیے پیش کر رہا ہوں۔

(۱) مشہور زمانہ مستشرق ”گولڈزیہر“ نے اپنے زعم (کہ احادیث نبویہ کا مجموعہ ہجرت کی پہلی تین صدیوں کی کارکردگی کا نتیجہ ہے اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے حدیث کی روایت صحیح نہیں ہے، اور شرعی احکام ابتدائے اسلام میں عام مسلمانوں کے مابین معروف نہیں تھے، اور بڑے بڑے ائمہ کرام شریعت اسلامیہ اور تاریخ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نا آشنا تھے) کو ثابت کرنے کے لیے بے انتہا کوشش کی اور اس سلسلے میں بعض غیر معتبر اور مختلف فیہ روایتوں کو اکٹھا کیا، ان جمع کردہ روایتوں میں سے ایک روایت وہ بھی ہے جس کو ”گولڈزیہر“ نے ”دمیری“ کی کتاب ”الحيوان“ سے نقل کیا ہے ”کہ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کو یہ علم نہیں تھا کہ معرکہ بدر اور احد میں سے کس کا وقوع پہلے ہوا ہے!“۔

بلا شک و شبہ تاریخ پر ادنیٰ نظر رکھنے والا شخص بھی اس طرح کی روایتوں کا علم رکھتا ہے اور بیان کرتا پھرتا ہے، امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو ان مشہور و معروف ائمہ کرام میں سے ہیں جنہوں نے اپنی فقہی کتابوں میں احکام حرب پر بہت ہی شرح و بسط کے ساتھ کلام کیا ہے، اسی طرح اگر آپ کے تلامذہ حضرت امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ (جنہوں نے آپ کے علم کی نشر و اشاعت میں عظیم کردار ادا کیا ہے) کی کتابوں کا جائزہ لیا جائے تو اسلامی جنگوں کے ہزاروں واقعات ملیں گے، اور عقلاً تو یہ بات ناممکن ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ سیرت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نا آشنا تھے جب کہ احکام حرب میں آپ کی فقہ کا دار و مدار سیرت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ہے۔

روایت کا سہارا نہ لیتا یہ جانتے ہوئے کہ دمیری مؤرخ نہیں ہے اور اس کی کتاب فقہ و تاریخ کے موضوعات سے جداگانہ ہے، کیوں کہ دمیری تو ایسا شخص ہے جو اپنی کتاب میں ہر اس واقعہ کو لکھ ڈالتا ہے جو نادر اور دلچسپ ہوتا ہے، وہ تو ذرہ برابر توجہ نہیں دیتا ہے کہ واقعہ کی صحت کیا ہے۔ نیز یہ بات بھی کسی پر مخفی نہیں ہے کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ اور آپ کے معاصرین و مقلدین کے مابین کافی چپقلش تھی اور فکری طور پر آپس میں بہت کشیدگی تھی اور یہ دوری اور دشمنی راویوں اور مصنفین حکایات کے لیے زہر ہلاہل کے مثل تھی خاص طور پر ان حکایات کے باب میں جن میں سے بعض تو آپ کی قدر و منزلت کا پتہ دیتے ہیں اور بعض آپ کی شان و عزت کی قلت پر دلالت کرتے ہیں، اور اکثر موضوع و منگھڑت ہیں جو کہ علماء اور مفکرین کی نظروں میں کوئی حیثیت نہیں رکھتے ہیں۔

گویا کہ ”گولڈ زیہر“ نے ان تمام چیزوں سے اعراض کی جو سیرت امام اعظم رضی اللہ عنہ پر علمی اسلوب میں تحریر کی گئی ہیں اور اپنے دعوے (کہ احادیث نبویہ کو مسلمانوں نے پہلی تین صدیوں میں تیار کیا ہے۔) کو مضبوط کرنے کے لیے ایسی جھوٹی روایت پر اعتماد کیا کہ اگر ادنیٰ طالب علم بھی سن لے تو ہنستے ہنستے لوٹ پڑے گا۔

(۲) دوسری مثال بھی مستشرق ”گولڈ زیہر“ ہی سے منسلک ہے، کتب جرح و تعدیل اور کتب تواریخ کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت امام محمد بن مسلم بن شہاب الدین زہری رضی اللہ عنہ (۵۰-۱۲۴ھ) ایک سچے، امین، دیندار، زاہد اور متقی شخص تھے، لیکن ”گولڈ زیہر“ نے ان سارے حقائق سے روگردانی کرتے ہوئے یہ دعویٰ کر دیا کہ امام زہری

اس مقام پر مناسب ہے کہ ہم اس موضوع سے متعلق فقہ حنفی میں ان دو اہم کتابوں کا ذکر کرتے چلیں جو مذہب اسلام میں عالمی قوانین کے موضوع پر تالیف کی گئی کتابوں میں عظیم اہمیت کی حامل ہیں۔

(۱) ”کتاب الرد علی سیر الأوزاعی“ یہ حضرت امام ابو یوسف علیہ رحمہ کی تالیف ہے۔

(۲) ”کتاب السیر الکبیر“ یہ حضرت امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کتاب ہے۔ اور اس کی شرح امام سرخسی نے لکھی ہے، یہ کتاب بین الاقوامی تعلقات کے موضوع پر فقہ اسلامی کے اہم اور قدیم مراجع میں سے ہے، اس کتاب کی آخری طباعت عرب لیگ یونیورسٹی کی نگرانی میں ”جمعية محمد بن حسن الشیبانی للحقوق الدولية“ کی فرمائش پر ہوئی ہے۔

ان دونوں کتابوں میں یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کے تلامذہ آپ کے اس علم کے حامل ہیں جو علم کہ عہد رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور عہد خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین میں واقع اسلامی جنگوں کی تاریخ پر مطلع ہونے کا پتہ دیتا ہے۔

”گولڈ زیہر“ جیسے مستشرق پر ان دونوں کتابوں کی حقیقت مخفی نہیں ہوگی ضرور باخبر ہوگا، اگر وہ حق کا متلاشی ہوتا اور سیرت نبوی پر امام اعظم رضی اللہ عنہ کی واقفیت اور عدم واقفیت پر صحیح معنوں میں مطلع ہونا چاہتا تو کتاب ”الحیوان“ میں مذکور ”دمیری“ کی

رضی اللہ تعالیٰ عنہ اموی خلفاء کی شان میں حدیثیں گڑھتے تھے اور حدیث ” لا تشد الرحال إلا إلى ثلاثة مساجد“ کے بارے میں یہ کہتا ہے کہ آپ نے عبد الملک بن مروان کے لیے وضع کیا ہے اور بطور دلیل یہ پیش کرتا ہے کہ یہ حدیث امام زہری رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ ہے اور آپ رضی اللہ عنہ عبد الملک بن مروان کے معاصر تھے۔ میں نے اس قضیہ کو اپنی کتاب ”السنة و مكانتها في التشريع الإسلامي“ میں تفصیلی طور پر لکھا ہے اور دلائل و براہین کی روشنی میں ”گولڈزیہر“ کے باطل دعووں کی دھجیاں اڑادی ہے۔

(۳) مستشرقین عرب فاتحین کو عجمی مسلمانوں سے بلند رتبہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور ان کی شان و عزت کو گھٹا کر پیش کرتے ہیں، اس بارے میں مستشرق ”بروکلمان“ اپنی کتاب ”تاریخ الشعوب الإسلامية“ میں تحریر کرتا ہے ”وإذا كان العرب يؤلفون طبقة الحاكمين، فقد كان الأعاجم من الجهة الثانية هم الرعية أي القطيع! وجمعها رعایا كما يدعوهم تشبيه سامي قديم كان مألوفا حتى عند الآشوريين“

”جب اہل عرب حاکموں کو طبقات میں تقسیم کر رہے تھے تو دوسری طرف عجمی

حضرات ہی رعایا یعنی ”ریوڑ“ تھے۔ ”رعیۃ“ کی جمع ”رعایا“ ہے جیسا

کہ عرب عجمیوں کو پکارتے ہیں یہ قدیم سامی تشبیہ ہے جس کا استعمال

۱۔ صحیح بخاری، جلد: ۱، ص: ۲۲۲، کتاب فضل الصلاة فی مسجد مکة والمدینة، باب فضل الصلاة (۱)، حدیث

نمبر: ۱۱۹۸، مطبوعہ: جمعية المکنز الاسلامی، قاہرہ، مصر، بن اشاعت: ۱۴۲۱ھ۔ ۲۰۰۰م۔

آشوریوں کے دور میں بھی تھا“

آپ ذرا ملاحظہ فرمائیں کہ اس مستشرق نے کس طرح ان تمام تاریخی حقائق سے چشم پوشی کی ہے جو کہ اس بات پر واضح دلیل ہیں کہ عرب فاتحین ہمیشہ عادلانہ رویہ اختیار کرتے تھے اور تمام افراد کے ساتھ عربی اور غیر عربی میں بلا تفریق و امتیاز کے یکساں معاملہ کرتے تھے۔ لیکن اس مستشرق نے لفظ ”رعیۃ“ سے لغوی معنی اخذ کر کے ان کے ساتھ جوڑ دیا اور اس سے یہ نتیجہ نکال لیا کہ مسلمان عجمیوں کو اسی نظر سے دیکھتے تھے جیسے بکری کے ریوڑ کو دیکھا جاتا ہے۔

لیکن جب ہم عربی لغات میں ”رعی“ کے ماڈے پر نظر دوڑاتے ہیں تو یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ معنی نہیں جو کہ ”بروکلمان“ نے توڑ مروڑ کر پیش کیا ہے۔ آئیے دیکھیں ”القاموس المحيط“ میں ہے کہ راعی کا اطلاق ہر اس شخص پر ہوتا ہے جو اپنی قوم کے معاملہ کا ذمہ دار ہوتا ہے اور قوم رعیت کی منزل میں ہوتی ہے، اور ”راعیتہ“ کا معنی ہے ”میں نے اس کا خیال کیا بنظر احسان“ اور ”راعیت امرہ“ کا معنی ہے میں نے اس کی حفاظت کی جیسے کہ اس کی نگہبانی کی۔

اب اس لغوی تشریح کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جا رہی ہے کہ لغت میں ”راعی“ کا اطلاق بکری کے چرواہے پر بھی ہوتا ہے اور قوم کے سردار پر بھی، اسی طرح ”رعیۃ“ کا اطلاق ریوڑ پر بھی ہوتا ہے اور قوم پر بھی، اور ”رعایۃ“ کا معنی حفاظت اور احسان ہے۔

اسلام نے جب بھی قوم کے لیے لفظ ”رعیۃ“ کا استعمال کیا ہے تو اسے کبھی بھی عجمیوں کے ساتھ خاص نہیں کیا ہے بلکہ اسے مطلقاً پوری قوم کے لیے استعمال کیا ہے تو پھر اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا کیوں کر درست ہو سکتا ہے کہ اس لفظ کا استعمال عجمیوں کو جانوروں کی ریوڑ سے تشبیہ دینے کے لیے کیا گیا ہے، اس سلسلے میں مشہور و معروف حدیثیں کثرت سے وارد ہیں امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی روایت کردہ صحیح حدیث سے بھی یہ مسئلہ واضح ہو جاتا ہے۔ چنانچہ ارشاد رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے:

”أَلَا كَلِمَ رَاعٍ وَكَلِمَ مَسْئُولٍ عَنْ رَعِيَّتِهِ فَإِلَامَامِ الذِّى عَلَى النَّاسِ رَاعٍ وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ وَالرَّجُلُ رَاعٍ عَلَى أَهْلِ بَيْتِهِ وَهُوَ مَسْئُولٌ مِنْ رَعِيَّتِهِ، وَالْمَرْأَةُ رَاعِيَةٌ عَلَى أَهْلِ بَيْتِ زَوْجِهَا وَوَلَدِهِ وَهِيَ مَسْئُولَةٌ عَنْهُمْ، وَعَبْدُ الرَّجُلِ رَاعٍ عَلَى مَالِ سَيِّدِهِ وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْهُ، أَلَا فَاكَلِكُمْ رَاعٍ وَكَلِمَ مَسْئُولٍ عَنْ رَعِيَّتِهِ۔“<sup>۱</sup>

”سنو: تم میں سے ہر ایک حاکم ہے اور ہر حاکم اپنی رعایا کا ذمہ دار ہے، چنانچہ وہ حاکم جو لوگوں پر متعین ہے وہ ان کا نگہبان ہے اور اپنی رعایا کا ذمہ دار ہے مرد اپنے اہل و عیال کا نگہبان ہے اور وہ ان کا ذمہ دار ہے۔ عورت اپنے شوہر کے اموال و اولاد کی نگہبان ہے اور وہ ان کی ذمہ دار ہے۔ اور غلام اپنے آقا کے مال کا نگہبان ہے اور وہ اس کا ذمہ دار ہے، اے لوگو سنو اسی

۱۔ صحیح بخاری، جلد ۳، صفحہ ۱۴۴، کتاب الاحکام، باب: اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول، حدیث نمبر: ۲۲۵، مطبوعہ: جمعیتہ المکنتز الاسلامی، قاہرہ، مصر، بن طباعت: ۱۴۲۱ھ، ۲۰۰۰ء۔

طرح تم میں ہر ایک فرد نگہبان ہے اور اپنی ذمہ داریوں کا جواب دہ ہے۔“ علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ”فتح الباری“ کی تیرہویں جلد کے صفحہ ۹۶ پر اسی حدیث کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”وَالرَّاعِي هُوَ الْحَافِظُ الْمُؤْتَمِنُ الْمَلْتَزِمُ صِلَاحِ مَا أَوْتَمَنَ عَلَيْهِ حِفْظُهُ فَهُوَ مَطْلُوبٌ بِالْعَدْلِ فِيهِ وَالْقِيَامُ بِمَصَالِحِهِ۔“<sup>۱</sup>

”اور لفظ راعی کا معنی نگہبان امانتدار اور اپنی زیر امانت اشیاء کی حفاظت کے ذمہ دار ہیں، اور اسی وجہ سے اس کی ذمہ داریوں میں انصاف پسندی اور خیر خواہی کا معاملہ کرنا بھی داخل ہے۔“

ایک دوسری حدیث بھی ملاحظہ فرماتے چلیں کہ جس میں لفظ ”رعیۃ“ کا استعمال تمام مسلمانوں پر بشمول عرب و عجم آیا ہے اور جس کو امام بخاری وغیرہ نے روایت کیا ہے چنانچہ ارشاد ہے ”مَامِنْ وَالٍ يَلِي رَعِيَةً مِنَ الْمُسْلِمِينَ فَيَمُوتُ وَهُوَ غَاشٍ لَهُمْ إِلَّا حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ۔“<sup>۲</sup>

”جو بھی حاکم مسلم رعایا کی حاکمیت کر رہا ہو اور ان کی حق تلفی کرتے ہوئے اس کی موت آجائے تو یقیناً اللہ تعالیٰ اس پر جنت حرام کر دیتا ہے۔“

اب ذرا غور فرمائیں کہ ”بروکلماں“ نے ان سارے حقائق سے کس طرح چشم

۱۔ فتح الباری، علامہ احمد بن علی بن حجر عسقلانی، جلد ۱۶، ص: ۲۵۸، کتاب الاحکام، باب (۱)، مطبوعہ: دار ابی حیان، قاہرہ، مصر، طباعت اول: ۱۴۱۶ھ۔ ۱۹۹۶م۔

۲۔ صحیح بخاری، جلد ۳، ص: ۱۴۴، کتاب الاحکام، باب من استرعى رعية (۸)، حدیث نمبر: ۲۳۹، مطبوعہ: جمعیتہ المکنتز الاسلامی، قاہرہ، مصر، بن اشاعت: ۱۴۲۱ھ۔ ۲۰۰۰م۔



پوشی کی ہے اور اپنی علمی امانت کے لیے اس بے بنیاد اور باطل دعویٰ (کہ عرب مسلمانوں نے عجمی مسلمانوں کو ریور کی سی نگاہ سے دیکھا ہے اور عربوں نے صرف انہیں پر لفظ ”رعیۃ“ کا استعمال کیا ہے) کو کیسے روارکھا ہے جب کہ ”بروکلماں“ کے پاس اس دعویٰ کی صرف اس کے علاوہ کوئی سند اور اصل نہیں ہے کہ لفظ ”رعیۃ“ کا استعمال بکری کے لیے بھی ہوتا ہے۔ مندرجہ بالا عبارتوں سے لفظ ”رعیۃ“ کا لغوی معنی بخوبی واضح ہو چکا ہے، لہذا اب لفظ ”رعیۃ“ کو عجیبوں کے ساتھ خاص سمجھنا ”بروکلماں“ کی اپنی خواہشات کی تکمیل کے سوا کچھ نہیں ہے کیوں کہ نہ تو اس کی کوئی اصل ہے اور نہ ہی کوئی ایسا اشارہ ملتا ہے جس سے ذہن اس کی طرف ملتفت ہو۔

(۴) چوتھی مثال جس کا خلاصہ یہ ہے کہ مستشرق ”مایوز“ نے یہ دعویٰ کیا ہے (جیسا کہ اس دعویٰ کو مستشرق ڈی۔ ایس۔ مرگولیوتھ "D.S. Margoliouth" سے نقل کیا ہے۔) کہ عرب کے بدو فصاحت و بلاغت کی تعلیم کا بہت اہتمام کرتے تھے اس لیے کوئی بعید نہیں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عربی زبان میں کوشش کی ہو اور فصاحت و بلاغت میں آپ کو غیر معمولی مہارت ہو گئی ہو۔

مستشرق کے اس قول سے دو باتیں منکشف ہوتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ مستشرقین کے نزدیک کسی بھی مسئلہ کی تحقیق کا پیمانہ ان کے اپنے خیالی پیداوار پر منحصر ہوتا ہے اگرچہ وہ حقیقت واقعہ کے خلاف ہی کیوں نہ ہو، اہل عرب کا حال تو یہ تھا کہ وہ فصاحت و بلاغت کی تعلیم ہی نہیں حاصل کرتے تھے، اور نہ ہی ان کے پاس کوئی ایسے مدارس اور

اساتذہ تھے جو اس کے قواعد و ضوابط وضع کرتے اور نہ ہی قبل بعثت نبی صلی اللہ علیہ وسلم فصاحت و بلاغت کی تعلیم و تعلم لوگوں میں معروف ہوئی۔ ہمارے پاس تو کوئی ایک نص بھی نہیں ہے جو اس دعویٰ کو ثابت کر سکے، البتہ اس کا ثبوت ضرور ملتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل بعثت اور قبل نزول قرآن نظم و نثر کی کوئی بات منقول نہیں ہوئی۔

دوسری بات یہ کہ مستشرقین کے نزدیک بحث و تنقید کے بنیادی اصولوں میں سے ایک تیسری اصل بھی ہے، وہ یہ کہ مستشرقین جن اسباب و علل اور حوادث و واقعات کی تحقیق کرتے ہیں ان میں افراط و غلو سے پر ایسی نت نئی باتیں پیش کرتے ہیں جن کی توہم اور تعصب کے سوا کوئی حقیقت اور اصل نہیں ہوتی ہے۔ اور ستم بالائے ستم یہ کہ وہ مشرق، عرب اور مسلمانوں کے متعلق مشرق و عرب کی عادات و تقالید اور رسم و رواج کے واقعات کو اپنے مغربی خیالات و نظریات کی روشنی میں دیکھتے ہیں، وہ یہ سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کرتے ہیں کہ ہر ایک ماحول کا اپنا اپنا طرز زندگی، ذوق اور پیمانہ ہوتا ہے اور ہر قوم کے اپنے اپنے رسم و رواج ہوتے ہیں۔

فرانسیسی مسلم مستشرق ”ناصر الدین دینیہ“ نے مستشرقین کے انداز و اسلوب اور علمی پیمانے پر بہت اچھی بات کہی ہے چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ مستشرقین جب بھی کسی چیز پر حکم لگاتے ہیں یا کسی چیز کی تحقیق میں کوئی رائے قائم کرتے ہیں تو سارے مستشرقین کے آراء و افکار میں اس قدر باہم تضاد اور تناقض پایا جاتا ہے کہ بحث و تحقیق کی دنیا میں جس کی کوئی نظیر نہیں ملتی ہے، یہی وجہ ہے کہ جب انہوں نے یورپین خیالات و نظریات

کے تناظر میں سیرت محمدیہ علیہ التحیۃ والثناء اور ظہور اسلام کی تاریخ کا جائزہ لینے کی کوشش کی تو ضلالت و گمراہی کے دلدل میں اس طرح پھنسے کہ آج تک نہ نکل سکے۔ کیوں کہ مشرق و مغرب کی عادات و تقالید، خیالات و نظریات، تہذیب و ثقافت اور معاملات میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ یورپین طرز تفکر ہی ہے جو اسلام اور مشرق کے انبیاء کرام علیہم السلام کی تاریخ کے بارے میں انہیں کسی صحیح نتیجے پر نہ پہنچا سکا۔

مسلم مستشرق ”ناصر الدین دیبہ“ مزید یہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے بارے میں جن آراء و نظریات پر جمہور مسلمانوں کا اتفاق ہے ان کے خاتمے کے لیے مستشرقین نے یورپین طرز تحقیق پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ پر تنقید کرنے کی کوشش کی اور تقریباً ایک صدی اپنے دعوؤں کی تنقیح و تدقیق میں صرف کردی، ایسی صورت میں ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ تحقیق و تدقیق میں اتنا طویل عرصہ صرف کرنے کے بعد سیرت نبویہ کے متعلق مشہور روایات اور متفقہ آراء و افکار کو منہدم کرنے پر قادر ہو جاتے، لیکن ان تمام تر کوششوں کے باوجود کیا وہ کچھ کر سکے؟ نہیں ہرگز نہیں۔

بلکہ ہوا یہ کہ جب ہم نے فرانس، انگلینڈ، جرمنی، بلجیئم اور ہالینڈ وغیرہ کے مستشرقین کی پیش کردہ جدید آراء و افکار کا بار یک بنی سے مطالعہ کیا تو خط و جنون اور من گھڑت قصوں کے علاوہ کچھ نہ پایا۔ آپ خود ملاحظہ فرما سکتے ہیں کہ ان کی باتوں اور آراء میں کس طرح تضاد پایا جاتا ہے۔ ایک مستشرق کوئی بات ثابت کر رہا ہے تو دوسرا اس کی

تردید کرتا ہوا نظر آتا ہے اور اگر دوسرا کوئی بات ثابت کر رہا ہے تو تیسرا اس کو ماننے کے لیے تیار نہیں ہے اور یہی حال سارے مستشرقین کا ہے۔ مسلم مستشرق ”ناصر الدین دیبہ“ نے اپنے کلام کے اختتام پر ان تناقضات کی مثالیں بھی پیش کی ہیں چنانچہ کہتے ہیں:

”وإن أردنا استقصاء هذه التناقضات التي نجدها بين تمحيصات هو المحصين بزعمهم يطول بنا الأمر، ولا نقدر أن نعرف أية حقيقة، ولا يبقى أمامنا إلا أن نرجع إلى السير النبوية التي كتبها العرب، فأما المؤلفون الذين زعموا أنهم يريدون ترجمة محمد بصورة علمية شديدة التدقيق فلم يتفقوا منها ولو على نقطة مهمة وبرغم جميع ما نقبوه ونقروه و حاولوا كشفه بزعمهم، فلم يصلوا ولن يصلوا إلا إلى تمثيل أشخاص في تلك السيرة ليسوا أعرق في الحقيقة الواقعية من أبطال اقايصيص ”فالترسكوت“ و ”اسكندر توماس“ فهؤلاء القصاص تخيلوا أشخاصاً من أبناء جنسهم يقدر أن يفهمهم، ولم يلحظوا إلا اختلاف الأدوار بينهم، أما أولئك المستشرقون فنسوا أنه كان عليهم قبل كل شيء أن يسدوا الهوة السحيقة التي تفصل بين عقليتهم الغربية والأشخاص الشرقيين الذين يترجمونهم، وأنهم بدون هذه الملاحة

جديرون بأن يقعوافي الوهم في كل نقطة“<sup>۱</sup>

”اور اگر ہم ان تناقضات کا تفصیلی جائزہ لینا چاہیں تو بات بہت طویل ہو جائے گی اور ہم کسی حقیقت تک نہیں پہنچ پائیں گے اس لئے ہمارے لیے اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں ہے کہ ہم سیرت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے باب میں عرب مؤرخین کا سہارا لیں۔ جہاں تک ان نام نہاد سیرت نگاروں کی بات ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کے باب میں نہایت ہی دقیق اور علمی اسلوب میں تحقیق کے دعویدار ہیں تو ان کا حال تو یہ ہے کہ اتنی تحقیق و جستجو اور جانفشانی کے باوجود آج تک کسی ایک مشہور و معروف بات پر بھی آپس میں متفق نہ ہو سکے۔ صرف اور صرف ان سے اتنا ہو سکا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کو اپنے ملک کی ان نمایاں شخصیتوں کے تناظر میں دیکھا جو درحقیقت ”فالتسکوت“ اور ”اسکندر ٹوماس“ کے ناولوں کے ممتلین سے زیادہ حیثیت کی حامل نہیں ہیں۔ چنانچہ ان ناول نگاروں نے اپنے کچھ ہم وطن لوگوں کو تصور میں رکھا جنہیں وہ اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں اور اس کے تناظر میں اختلاف زمانہ کے سوا دوسرے تمام فروق کو نظر انداز کر دیا جب کہ ان مستشرقین کا اولین فریضہ یہ تھا کہ سب سے

۱۔ یہ عبارت ”ناصر الدین دینیہ“ کی کتاب ”انک فی واد وأنا لفی واد“ کی ہے جس کو آپ نے ہنری لیمنز ”H. Lammens“ کی رد میں تالیف کیا ہے اور اس کتاب میں یہ عبارت امیر شکیب ارسلان کی کتاب ”حاضر العالم الاسلامی“ کے مقدمہ سے منقول ہے۔

پہلے اس فاصلے کو مٹاتے جو ان کے زیر تحقیق مشرقی شخصیات اور ان کی مغربی ذہنیت کے درمیان ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اس بات کو پیش نظر رکھے بغیر ہر ہر قدم پر وہ ہم کے جال میں پھنسیں گے۔“

## یورپ میں مستشرقین سے آمناسا منا

میں مستشرقین کے بارے میں سفر یورپ سے قبل اپنی کتاب ”السنة و مكانتها في التشريع الإسلامي“ میں کچھ باتیں تحریر کر چکا تھا لیکن جب میں نے ۱۹۵۶ء میں یورپ کا سفر کیا، یورپ کی یونیورسٹیز کا دورہ کیا، یورپ کے محققین اور مفکرین سے باتیں کی اور مستشرقین سے بحثیں اور جھڑپیں ہوئیں تو مجھے مستشرقین کے متعلق اپنی تحریر کردہ باتوں پر یقین کامل ہو گیا اور ان کی طرف سے اسلامی تراث پر تہذیبی، ثقافتی، تشریحی اور قانونی ہر قسم کے خطرات کا جو مجھے شبہہ تھا وہ صحیح ثابت ہوا اور میرا دل مطمئن ہو گیا۔ اور مجھے اس بات کا بھی علم ہوا کہ ان کے ذہن و دماغ میں اسلام، اہل عرب اور مسلمانوں کے خلاف تعصب کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔

لندن: مستشرقین میں سب سے پہلے میری ملاقات پروفیسر ”انڈرسون“ سے ہوئی جو لندن یونیورسٹی ”London University“ میں ”معهد الدراسات الشرقيه“ میں ”قسم قوانین الأحوال الشخصیه المعمول بها في العالم الإسلامي“ کا چیرمین تھا اور کیمبرج یونیورسٹی سے ”کلیۃ اللاہوت“ کا فارغ تھا، اور دوسری جنگ عظیم کے درمیان مصر میں مقیم برطانوی فوج کے اراکین میں سے تھا یہ

ساری باتیں خود اسی کی زبانی مجھے معلوم ہوئیں۔

اس مستشرق نے قاہرہ "Cairo" میں واقع امریکن یونیورسٹی "American University" میں عربی زبان سیکھی جہاں علماء ازہر عربی زبان و ادب پر لکچر دیا کرتے تھے، یہ لکچر ہفتہ میں صرف ایک بار ہوتا تھا اور یہ مستشرق ایک سال تک ان لکچروں سے سیکھتا رہا اور مصر کی عامیہ زبان<sup>۱</sup> اپنی فوجی ملازمت کے دوران مصری عوام سے کھل مل کر سیکھا۔

احمد امین مرحوم، ڈاکٹر طہ حسین اور شیخ احمد ابراہیم وغیرہ کے عام لکچرز اور تقریروں کو سن کر اس نے اسلامک اسٹڈیز "Islamic Studies" میں تخصص کیا پھر جنگ کے بعد فوجی ملازمت سے ریٹائر ہو کر لندن یونیورسٹی "London University" میں "قسم قوانین الأحوال الشخصية" کا چیرمین بن گیا۔ اسلام کے خلاف "انڈرسون" کے تعصب کی مثالیں نہیں ذکر کرنا چاہتا ہوں۔

مجھے اس کے بارے میں بہت ساری باتوں کا علم اس وقت ہوا جب لندن "London" میں اسلامک کلچر سنٹر "Islamic Culture Center" کے ڈائریکٹر "حمود غرابہ" نے بتایا۔ میں یہاں صرف انہیں باتوں کو ذکر کروں گا جن کو پروفیسر "انڈرسون" نے براہ<sup>۱</sup> دراصل مصری عامیہ زبان فصیح عربی کی اس تبدیل شدہ زبان کا نام ہے جس کو مصری عوام آپس میں عام تعامل کے وقت استعمال کرتی ہے جس میں سرعت کلام کی وجہ سے کچھ الفاظ مخفف اور کچھ محذوف ہوتے ہیں اور کچھ حروف ایسے ہوتے ہیں جنہیں وہ دوسرے حروف سے بدل کر بولتے ہیں مثلاً "جاء" کو "گا" اور "قال" کو "آل" بولتے ہیں، اس طرح اور بھی حروف ہیں جنہیں وہ بدلتے ہیں نیز یہ کہ اس زبان میں نہ تو اعراب کا ظہور ہوتا ہے اور نہ ہی نحوی و صرفی قواعد کی رعایت ہوتی ہے۔

راست مجھ سے ذکر کیا ہے چنانچہ پروفیسر موصوف نے مجھ سے کہا کہ لندن یونیورسٹی میں قانون اسلامی پر "خطة البحث" پیش کرنے والے ازہر یونیورسٹی "Al-Azher University" کے فارغین میں سے ایک کو میں نے صرف اس وجہ سے فیل کر دیا تھا کہ اس نے مذہب اسلام میں عورتوں کے حقوق کے بارے میں ایک بحث کا منصوبہ پیش کیا تھا اور یہ ثابت کیا تھا کہ مذہب اسلام نے عورتوں کو ان کا مکمل حق دیا ہے۔ یہ سن کر میں حیرت و استعجاب میں ڈوب گیا اور پھر پروفیسر "انڈرسون" کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ آپ نے اس طالب علم کو ڈاکٹریٹ کی ڈگری سے صرف اس سبب سے کیوں محروم رکھا؟ جبکہ آپ لوگوں کا حال تو یہ ہے کہ اپنی یونیورسٹیوں میں فکری آزادی کا ڈھنڈھورا پیٹتے پھرتے ہو، تو پروفیسر موصوف نے کہا کہ دراصل بات یہ تھی کہ وہ کہہ رہا تھا کہ اسلام نے عورت کو یہ حق دیا ہے اور اسلام نے عورت کے بارے میں ایسا ایسا کہا ہے۔ تو کیا وہ اسلام کا کوئی نمائندہ تھا یا وہ امام اعظم ابو حنیفہ اور امام شافعی تھا جو اس طرح کا کلام کر رہا تھا اور اس طرح اسلام کی ترجمانی کر رہا تھا جب کہ عورتوں کے حقوق کے بارے میں جو اس کے آراء تھے ان پر متقدمین فقہاء اسلام کی کوئی تصریح نہیں تھی، وہ متکبر اور خود پسند تھا جو اسلام کو امام اعظم ابو حنیفہ اور امام شافعی علیہما رحمہ سے زیادہ سمجھنے کا دعویٰ کر رہا تھا۔

یہ رہی اس مستشرق کی بات جو ابھی تک بقید حیات ہے لیکن مجھے اس بات کی خبر نہیں کہ وہ لندن یونیورسٹی میں اب بھی برسر ملازمت ہے یا ریٹائر ہو چکا ہے۔

اسکاٹ لینڈ: جب مجھے اسکاٹ لینڈ کی اڈنبرا یونیورسٹی "Adebra" میں

"University" میں جانے کا اتفاق ہوا تو معلوم ہوا کہ جو مستشرق اس یونیورسٹی کے اسلامک اسٹڈیز "Islamic Studies" کا ڈین تھا وہ پادری تھا اور سول ڈریس میں ملبوس رہتا تھا وہ اپنے گھر کے دروازے پر اپنا نام آویزاں کیے تھا اور نام کے ساتھ اپنا دینی لقب تحریر کیے ہوئے تھا۔

اسکاٹ لینڈ ہی میں جب گلاسکو یونیورسٹی "glasgow University" میں جانے کا موقع ملا تو اس یونیورسٹی کے عربک اسٹڈیز "Arabic Studies" کے ڈین کے بارے میں یہ پتہ چلا کہ وہ بھی پادری ہے، اور تقریباً بیس سال تک "قدس" میں عیسائی تبلیغی مشن کا صدر تھا اس بیس سال کے عرصہ میں اس کو عربی زبان پر اس قدر قدرت ہو گئی کہ وہ اہل عرب کی طرح عربی بولنے لگا تھا۔ جب اس سفر میں اس سے میری بات ہوئی تو اس نے بذات خود ان ساری باتوں کا اعتراف کیا، جب کہ اس سے قبل بھی میری ملاقات اس سے "حمون۔ لبنان" میں ۱۹۵۴ء میں منعقد اسلامی اور مسیحی کانفرنس میں ہو چکی تھی۔

آکسفورڈ یونیورسٹی "Oxford University" جب میں نے آکسفورڈ یونیورسٹی کا دورہ کیا تو یہاں کے ڈپارٹمنٹ آف اسلامک اینڈ عربک اسٹڈیز "Department of Islamic and Arabic Studies" کے ہیڈ کے بارے میں یہ بات سامنے آئی کہ وہ یہودی ہے اور عربی زبان بہت آہستہ اور بمشکل بول پاتا ہے۔ یہ یہودی دوسری عالمی جنگ کے دوران "لیبیا" میں برطانوی خبر رساں ایجنسی کے ادارہ میں ملازم تھا اور وہیں

اس نے عربی عامیہ زبان کی تعلیم حاصل کی پھر وہ "آکسفورڈ یونیورسٹی" کے اس شعبہ کی صدارت کے لیے اپنے وطن انگلینڈ واپس آ گیا۔ مجھے اس کے طریقہ درس کو دیکھ کر بہت حیرت ہوئی وہ استشرق کے طلباء کے سامنے قرآنی آیات کی تفسیر "مختصری" کی کتاب "کشاف" کے حوالے سے کر رہا تھا حالاں کہ وہ عام اخبارات کی معمولی سی عبارت کو بھی اچھی طرح نہیں سمجھ پارہا تھا۔ احادیث نبویہ کا درس بخاری شریف اور مسلم شریف سے دے رہا تھا، اور فقہ کا درس دینے کے لیے جن ابواب کا اس نے انتخاب کیا تھا وہ احناف اور حنابلہ کی بنیادی کتابوں سے ماخوذ تھے۔ جب میں نے اس یہودی مستشرق سے ان تحقیقات کے مراجع کے بارے میں استفسار کیا تو اس نے مجھے بتایا کہ یہ سب گولڈ زیہر "Gold zihar" "مرگولیوتھ" "Margoliouth" اور جوزف شاخت "J. Schacht" وغیرہ مستشرقین کی کتابوں سے ماخوذ ہیں۔

اسلام اور مسلمانوں کے خلاف کی گئی بے بنیاد اور بے سرو پا کی باتوں کے لیے ان مستشرقین کا نام ہی کافی ہے۔

کیمبرج یونیورسٹی "Cambridge University" میں بھی مجھے جانے کا موقع ملا جب میں وہاں پہونچا تو وہاں ڈپارٹمنٹ آف عربک اینڈ اسلامک اسٹڈیز "Department of Arabic and Islamic Studies" کا ہیڈ مشہور مستشرق آربری "Arberry" تھا جو صرف عربی زبان کا متخصص تھا اس کا نام گذشتہ اوراق میں ذکر کیا جا چکا ہے۔

جب اس سے میری ملاقات ہوئی تو اس نے دوران گفتگو مجھ سے یہ کہا کہ ہم سب مستشرق ہیں، اسلام کے متعلق تحقیقات میں اکثر جگہ غلطیاں کر جاتے ہیں، اس لیے ہمارے لیے بہتر اور مناسب یہ تھا کہ اس میدان میں قدم نہ ڈالتے اور تم عرب مسلمان ہو تم اسلام کے بارے میں ہم سے اچھی تحقیقات پیش کر سکتے ہو۔ ممکن ہے کہ یہ اس کے دل کی آواز ہی ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس نے میری دلجوئی کے لیے ایسا کہہ دیا ہو۔

انگلینڈ: جب میرا دورہ مانچسٹر (انگلینڈ) کا ہوا تو وہاں میری ملاقات پروفیسر ”روبسون“ سے ہوئی وہ سنن داؤد کا کسی قلمی نسخہ سے تقابل کر رہے تھے تاریخ حدیث میں ان کی کئی ایک تصانیف ہیں جن میں انہوں نے غالی اور متعصب مستشرقین کے آراء اور نظریات سے اتفاق کیا ہے۔ وقت ملاقات میں نے چاہا کہ ایک بات ضرور بیان کرتا چلوں چنانچہ میں نے ان سے کہا کہ سابقہ استثنائی تحقیقات میں بہت زیادہ حقیقت سے انحراف کیا گیا ہے، اور بے انتہا زیادتیاں کی گئی ہیں، اکثر جگہوں پر حقائق پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے، اور باتوں باتوں میں میں نے گولڈزیہر "Gold zihar" کے افکار و نظریات کی بات چھیڑ دی اور جب اس کی تاریخی اور علمی غلطیوں کا پردہ فاش کیا تو پروفیسر موصوف نے میری گفتگو کے بعد جو جواب دیا وہ قابل ملاحظہ ہے:

”لأشك أن المستشرقين في هذا العصر أكثر إطلاعا على المصادر الإسلامية من جولد تسيهر نظراً لما طبع و نشر و عرف من مؤلفات إسلامية كانت غير معلومة في عصر جولد تسيهر فقلت له“

أرجو أن تكون أبحاثكم المستشرقين في هذا العصر أقرب إلى الحق والإنصاف من جولد تسيهر ومرجليوت وأمثالهما فقال : أرجو ذلك“

”سچ بات یہ ہے کہ آج کے مستشرقین گولڈزیہر "Goldzihar" سے کہیں زیادہ اسلام کے بارے میں معلومات رکھتے ہیں کیوں کہ اب بہت ساری اسلامی تصنیفات کی نشر و اشاعت ہو چکی ہے اور وہ شہرت پا چکی ہیں جب کہ ”گولڈزیہر“ کے زمانے میں ناپید تھیں، تو میں نے اس سے کہا کہ مجھے امید ہے کہ اس دور میں تم مستشرقین کی موجودہ تحقیقات ”گولڈزیہر“ اور ”مرگلیوتھ“ وغیرہما کے بہ نسبت حق و انصاف سے زیادہ قریب ہونا چاہئے، تو اس نے کہا میں بھی اسی بات کی توقع رکھتا ہوں۔“

ہالینڈ: جب ہالینڈ میں لیڈن یونیورسٹی "Leedon University" میں میرا جانا ہوا تو وہاں جرمن یہودی مستشرق یوسف شاخت "J. Schacht" سے میری ملاقات ہوئی (یہ مستشرق دور حاضر میں مستشرق ”گولڈزیہر“ کے ان اعتراضات کا حامل ہے جو اس نے اسلام کے حقائق و معارف پر اپنی مکاریوں اور فریب کاریوں سے چسپاں کیے تھے اور اسلامی حقائق کو مسخ کرنے کی ناپاک کوششیں کی تھی) تو میں نے اس سے ”گولڈزیہر“ کی غلطیوں پر بہت طویل بحث کی اور میں نے کہا کہ ”گولڈزیہر“ نے ہماری کتابوں کی عبارتوں کی نقل میں جو تحریف و تبدیلی کی ہے وہ دانستہ طور پر بالقصد کی ہے، تو شروع میں اس نے میری اس بات کی تردید کر دی لیکن جب میں نے تاریخ

حدیث کے متعلق ”گولڈزیہر“ کی تحریر کردہ عبارت بطور مثال پیش کی تو وہ بہت متحیر ہوا اور ”گولڈزیہر“ کی کتاب کو دیکھنے لگا، اور ہم لوگ اس کے ایک خاص کتب خانہ میں بیٹھے ہوئے تھے، جب اس نے دیکھ لیا اور میرے کلام پر اس کو یقین ہو گیا تو اس نے کہا کہ تم حق پر ہو اور ”گولڈزیہر“ نے یہاں غلطی کی ہے، تو میں نے اس سے کہا کہ کیا یہ صرف ایک نادانستہ غلطی ہے؟ اتنا کہنا تھا کہ وہ بھڑک گیا اور سخت لہجے میں مجھ سے کہا کہ تم لوگ ”گولڈزیہر“ سے اتنا بدظن کیوں ہو۔ پھر میں عبدالملک بن مروان کے متعلق امام زہری کے موقف پر ”گولڈزیہر“ نے جو تجزیہ کیا ہے اس پر بحث کرنے لگا اور اس کے سامنے ایسی تاریخی حقائق کی نقاب کشائی کی کہ جو ”گولڈزیہر“ کے باطل دعوؤں کا پردہ چاک کر رہے تھے جب اس بحث میں اس کو لا جواب کر دیا تو اس نے کہا یہاں بھی ”گولڈزیہر“ نے غلطی کی ہے کیا علماء غلطی نہیں کرتے ہیں؟۔ پھر میں نے اس سے یہ کہا کہ ”گولڈزیہر“ تو ایسے استثنائی مدرسہ کا بانی تھا جو اسلامی قوانین کے باب میں صرف اور صرف تاریخی حقائق کی بنیاد پر ہی اپنا نظریہ قائم کرتا ہے تو پھر اس نے امام زہری پر کلام کرتے وقت اپنے وضع کردہ اصولوں کو کیوں نہیں مد نظر رکھا؟ اور اس کو کیسے یہ جرأت ہو گئی کہ امام زہری پر ابن زبیر کے خلاف عبدالملک بن مروان کی رضا کی خاطر اور مسجد اقصیٰ کی فضیلت پر وضع حدیث کا الزام لگائے، جب کہ تاریخی حقائق یہ ثابت کرتے ہیں کہ عبدالملک بن مروان سے امام زہری کی ملاقات ابن زبیر کے قتل کے کئی سال بعد ہوئی ہے یہ بات سنتے ہی اس (شاخص) کے چہرہ سے ہوائیاں اڑنے لگیں اور کف افسوس ملنے لگا، اس کے چہرہ پر غصہ واضطراب کے عجیب ملے جلے اثرات پائے

جار ہے تھے۔ پھر میں نے اس سے یہ کہتے ہوئے اپنی گفتگو کو ختم کر دیا کہ گذشتہ صدیوں میں اس طرح کے بہت سارے واقعات ہیں جو معروف ہو چکے ہیں، اور تم انہیں خطا سے تعبیر کرتے ہو، اور ہر مستشرق ان غلطیوں کو علمی حقائق سمجھ کر نقل کرتا ہے اور ہم لوگ ان تصانیف کو اس وقت پڑھنے کو پاتے ہیں جب ان کے مصنفین اس دار فانی سے کوچ کر چکے ہوتے ہیں۔ اس لیے اب میں یہ امید کرتا ہوں کہ تم اپنی غلطیوں پر ہماری گرفت کو غور سے سنو اور اپنی زندگی ہی میں اس کی تصحیح کر لو، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ بھی تمہاری موت کے بعد علمی حقائق کی فہرست میں آجائیں۔

نوٹ: یہ مستشرق قاہرہ یونیورسٹی <sup>۱</sup> Cairo University " میں درس دیتا تھا تاریخ تشریع اسلامی کے موضوع پر اس کی ایک تصنیف بھی ہے جو اس کے گرو اور امام ”گولڈزیہر“ کی طرح فریب کاریوں اور تحریفات سے پر ہے

سوڈن: آئیے اب آپ کو ”سوڈن“ لے چلتا ہوں جب میں ”سوڈن“ پہنچا تو وہاں ”ابسلایونیورسٹی“ میں میری ملاقات ”نیرج“ نامی ایک معمر مستشرق سے ہوئی، میرے خیال میں اسی مستشرق کے زیر نگرانی ”ابن خیاط“ کی ”الانتصار“ نامی کتاب کی تحقیق کا کام ہوا ہے، اس کتاب کو کسی زمانے میں قاہرہ کے ”لجنة التأليف والترجمة“ نے شائع کیا تھا، اس معمر مستشرق سے میری بہت طویل گفتگو ہوئی زیادہ تر گفتگو مذہب اسلام اور اسلامی تاریخ کے متعلق مستشرقین کی تحقیقات و تصنیفات پر ہوتی رہی، لیکن اس میں بھی میں نے موضوع بحث ”گولڈزیہر“ کو ہی بنایا اور اس کے سامنے ”گولڈزیہر“

(۱) قاہرہ یونیورسٹی کا قدیم نام فوآد یونیورسٹی تھا بعد میں اسے قاہرہ یونیورسٹی کا نام دیا گیا۔

کی غلطیوں، حقائق سے روگردانی اور تحریفات نصوص کے کچھ نمونے پیش کیے تو اس نے جواب دیتے ہوئے کہا..... ”إن جولد تسيهر كان في القرن الماضي ذا شهرة علمية و مرجعا للمستشرقين، أما في هذا العصر بعد انتشار الكتب المطبوعة في بلادكم عن العلوم الإسلامية . فلم يعد جولد تسيهر مرجعا كما كان في القرن الماضي، لقد مضى عهد جولد تسيهر في رأينا“

”گولڈزیہر“ یقیناً گزشتہ صدی میں زبردست علمی شہرت کا حامل تھا اور مستشرقین کے لیے مرجع کی حیثیت رکھتا تھا، لیکن آپ کے ممالک میں علوم اسلامیہ سے متعلق شائع شدہ کتابوں کی شہرت کے بعد اب گزشتہ صدی کی طرح ”گولڈزیہر“ کوئی قابل حجت محقق نہ رہا، ہمارے خیال میں اس کے دور کا خاتمہ ہو چکا ہے۔“

مجھے اس سفر میں ذکر کردہ یونیورسٹیوں کے علاوہ ہیلجی م "Belgium" ڈنمارک "Denmark" ناروے "Norway" فنلینڈ "Finland" سوئزرلینڈ "Switzerland" اور فرانس "France" وغیرہ جیسے مشہور ملکوں کی یونیورسٹیز میں بھی جانے کا موقع ملا، اور ان یونیورسٹیز میں اس وقت جو مستشرقین تھے ان سے ملاقات بھی ہوئی۔ اس سفر کے دوران ہماری جن مستشرقین سے ملاقات ہوئی اور جن کے اقوال کو میں نے اپنی ڈائری میں قلم بند کیا ہے اور ابھی ابھی جن کا ذکر گزرا ان سب سے مجھے

مندرجہ ذیل حقائق کا علم ہوا۔

(۱) پہلی بات جو میں نے نوٹ کی وہ یہ کہ اکثر مستشرقین یا تو پادری ہوتے ہیں یا سامراجی ذہنیت کے حامل ہوتے ہیں اور یا تو پھر یہودی ہوتے ہیں۔ اس عموم سے شاید ہی کوئی مستشرق مستثنیٰ ہو۔

(۲) دوسری بات مجھے یہ معلوم ہوئی کہ استشرق سامراجی ذہنیت کے حامل مغربی ممالک میں کہیں زیادہ طاقتور اور مضبوط ہے بہ نسبت ان مغربی ممالک کے جو سامراجیت سے دور ہیں مثلاً اسکندریہ، نیویا۔

(۳) تیسری بات جو سامنے آئی وہ یہ کہ غیر سامراجی ملکوں میں موجود مستشرقین ”گولڈزیہر“ اور اس کے مثل تعصب میں معروف مستشرقین کا بایکاٹ کرتے ہیں۔

(۴) چوتھی بات یہ ظاہر ہوئی کہ عام طور پر استشرق کی نشر و اشاعت گرجا گھروں سے ہوتی ہے، اور سامراجی ملکوں میں استشرق کا کام کنیسہ اور وزارت خارجہ دونوں سے ملکر ساتھ ساتھ ہوتا ہے۔ جہاں استشرق کو ان کی ہر تائید اور حمایت حاصل رہتی ہے۔

(۵) پانچویں حقیقت یہ منکشف ہوئی کہ برطانیہ اور فرانس جیسے سامراجی ممالک ہمیشہ استشرق کو اس کے بنیادی اغراض و مقاصد کے ساتھ آگے بڑھانے کے درپے رہتے ہیں، کیوں کہ انہیں معلوم ہے کہ اسلام کو نیست و نابود کرنا اور مسلمانوں کی شہرت و عزت کو بگاڑ کر پیش کرنا استشرق کے بنیادی



مقاصد میں سے ہے۔

مثال کے طور پر فرانس کے ”بلاشیر“ اور ”ماسینیون“ مستشرق کو لے لیں یہ دونوں عصر حاضر میں فرانسیسی مستشرقین کے گرو گھنٹال مانے جاتے ہیں۔ فرانس کی وزارت خارجہ میں ملازمت کرتے ہیں اور یہ دونوں عرب اور مسلمانوں کے معاملات میں بڑے ماہر سمجھے جاتے ہیں۔

اور انگلینڈ میں تو ہم نے دیکھا ہے کہ لندن، آکسفورڈ، کیمبرج، گلاسکو اور اڈنبرہ وغیرہ کی یونیورسٹیز میں استشر اق کا بہت اعلیٰ مقام ہے، اس کی نگرانی یہودیوں اور سامراجی ذہنیت کے انگریز مشنریز کے ذمہ ہے۔ ان کی ہمیشہ یہ دلی خواہش رہتی ہے کہ ”گولڈزیہر“ ”مرگولیوتھ“ اور ”یوسف شاخت“ وغیرہ کی کتابیں استشر اق کے مغربی طلباء کے لئے مراجع اور مصادر کی حیثیت سے رہیں، اور ان کے علاوہ جو عرب اور مسلم محققین ہیں وہ بھی انہیں مراجع کے پابند رہیں۔ وہ ہرگز یہ قبول نہیں کرتے ہیں کہ ڈاکٹر یٹ وغیرہ کا مقالہ کسی ایسے موضوع پر ہو جو اسلام کی حقانیت کو اجاگر کرتا ہو اور مستشرقین کے مکر و فریب کو بے نقاب کرتا ہو۔ اس سلسلے میں ایک بہت ہی روشن واقعہ تحریر کر رہا ہوں تاکہ ان مستشرقین کی فریب کاریوں اور عیاریوں کا پردہ مزید چاک ہو جائے۔

ڈاکٹر امین مصری از ہر یونیورسٹی کے فیکلٹی آف تھیولوجی "Faculty of Theology in al-Azhar University" اور قاہرہ یونیورسٹی کے فیکلٹی آف آرٹس

اینڈ ٹریننگ اسکول "Faculty of Arts and Training School Cairo University" کے فارغ التحصیل ہیں۔ ڈاکٹر موصوف کی جب مجھ سے گفتگو ہوئی تو وہ انگلینڈ میں اپنے ڈاکٹر یٹ کے مقالہ کی منظوری میں درپیش دشواریوں کا ذکر کرنے لگے، موصوف انگلینڈ کی کسی یونیورسٹی میں شعبہ فلسفہ سے پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری لینا چاہتے تھے۔ فرماتے ہیں کہ چند سال میں نے انگلینڈ میں فلسفہ پڑھا اور وہاں سے ڈاکٹر یٹ کی سند حاصل کی، مجھے وہاں کے نصاب تعلیم خصوصاً اسلامی علوم کی تعلیم سے بہت کم واقفیت تھی۔ جب میں نے مستشرقین خصوصاً ”شاخت“ کی کتابوں میں زیادتیاں، فریب کاریاں اور تحریفات دیکھا تو میں نے تہیہ کر لیا کہ اب میرے مقالہ کا موضوع ”نقد کتاب شاخت فی تاریخ الفقہ الاسلامی“ ہی رہے گا چنانچہ میں نے اپنا منتخب کردہ موضوع ”پروفیسر انڈرسون“ کو پیش کیا تاکہ وہ اس موضوع کی موافقت کر دے اور ہماری تھیسز "Thesis" کا نگران بن جائے، لیکن جب پروفیسر موصوف نے تھیسز کا موضوع ”نقد کتاب شاخت فی تاریخ الفقہ الاسلامی“ دیکھا تو منظوری دینے سے انکار کر دیا، حالاں کہ اس کی منظوری کے سلسلے میں یہ میری ناکام کوشش تھی، پس جب میں لندن یونیورسٹی سے ناامید ہو گیا تو کیمبرج یونیورسٹی گیا وہاں داخلہ لیا اور اسلامک اسٹڈیز "Islamic Studies" کے دو نگرانوں کو میں نے اپنا مذکورہ بالا موضوع پیش کیا کہ یہ میرے مقالہ کا موضوع ہے تو وہ دونوں اس پر خاموش رہے اور کوئی رضا مندی نہیں ظاہر کی۔ میں نے سمجھا کہ شاید وہ اخیر میں میرے موضوع کی

موافقت کر دیں گے لیکن انہوں نے مجھ سے صاف لفظوں میں کہا کہ اگر تم ڈاکٹر ٹیٹ میں کامیاب ہونا چاہتے ہو تو شاخت کی کتابوں کی تنقید اپنے ذہن سے نکال دو کیوں کہ یونیورسٹی تمہیں اس کی کبھی اجازت نہیں دے گی، اس لیے مجھے چارونا چاراپنا موضوع بدلنا پڑا۔ پھر میں نے دوسرے موضوع ”معايير نقد الحديث عند المحدثين“ کا انتخاب کیا تو انہوں نے بلا توقف اس کی موافقت کر دی اور میں ڈاکٹر ٹیٹ میں کامیاب ہو گیا اور اب دمشق یونیورسٹی میں فیکلٹی آف اسلامک لا "Faculty of Islamic Law" کا پروفیسر ہوں۔

یہ رہے چند کلمات جن کو میں نے بذات خود مستشرقین بالخصوص ”گولڈ زیہر“ اور اس کی کتابوں اور آراء میں پایا ہے۔ میں نے اپنی کتاب ”السنة ومكانتها في التشريع الإسلامي“ میں اس بحث کو ایک مستقل فصل میں الگ بیان کیا ہے، اس فصل میں اس یہودی مستشرق ”گولڈ زیہر“ کی ظلم و زیادتی، حقائق کا بگاڑنا، نصوص و عبارات کی تحریف، اپنے اغراض و مقاصد کے مطابق تاریخی حقائق میں تاویل، ایسے مصادر پر اعتماد جن کی علمی نقطہ نظر سے کوئی حیثیت نہیں ہے اور ان علمی مصادر کی تکذیب جو ہمارے ائمہ کرام اور محققین علماء کے نزدیک معتبر ہیں میں نے بالتفصیل بیان کیا ہے۔

عصر حاضر میں امریکا میں استشرقا اسلام اور مسلم دشمنی میں بہت نمایاں کردار ادا کر رہا ہے، اور امریکن یونیورسٹیز میں اسلامیات کا شعبہ جن لوگوں کے تحت

ہے وہ اسلام کے سب سے بدترین دشمن ہیں جیسا کہ ذکر کردہ متعصب مستشرقین اور ان کی تصنیفات و آراء سے واضح ہو چکا ہے۔

نہایت ہی قابل افسوس بات ہے کہ اسلامی دنیا کے طلباء جوان کے ملکوں میں انگریزی زبان میں تعلیم حاصل کرتے ہیں وہ انگلش اور امریکن یونیورسٹیوں میں داخلہ لینے پر مجبور ہوتے ہیں، اور جب داخل ہو جاتے ہیں تو اسلامی علوم کے طلباء اپنی تحقیق و مطالعہ کے لیے ان خطرناک اور زہر آلود مراجع کے علاوہ کوئی اور مرجع نہیں پاتے ہیں۔ مزید یہ کہ وہ عربی زبان سے نابلد ہوتے ہیں جس کی وجہ سے وہ عربی کتابوں سے استفادہ نہیں کر سکتے ہیں، اس لیے ان کے ذہن و دماغ میں یہ راسخ ہو جاتا ہے کہ یہ چالبازیاں اور سازشیں درحقیقت خود مسلم علماء اور فقہاء کی کتابوں سے ماخوذ ہیں۔

عربی یونیورسٹیز کے لیے یہ ایک بہت بڑا المیہ ہے کہ ان کے پاس ڈاکٹر ٹیٹ کی سند کے حصول کے لیے انگلش زبان میں کوئی شعبہ نہیں ہے۔ عربی یونیورسٹیوں کی انتظامیہ کو اس پر غور کر کے انگریزی زبان کا شعبہ ضرور قائم کرنا چاہیے۔ میرا وجدان کہتا ہے کہ اگر یہ شعبہ قائم ہو جائے تو عالم اسلام کے طلباء مغرب کی یونیورسٹیز کو چھوڑ کر اپنی عربی یونیورسٹیز کا رخ کرنے لگیں گے، اس طرح ہم ان طلباء اسلام کو متعصب اور سامراجی ذہنیت کے حامل مستشرقین کی فریب کاریوں اور عیاریوں سے متاثر ہونے سے بچالیں گے۔

## خلاصہ کلام

### مستشرقین کے بارے میں چند اختتامی کلمات

صلیبی جنگوں نے جب سیاسی اور فوجی لحاظ سے ناکامی اور پسپائی کا سامنا کیا، تو مغربی دنیا کے لوگ اسلام اور اس کے چاہنے والوں سے انتقام لینے کے لیے فکر مند ہو گئے، چنانچہ انہوں نے انتقام لینے کے لیے کئی طریقے اپنائے۔ مغرب نے اسلام سے انتقام کا سب سے پہلا طریقہ یہ اختیار کیا کہ اسلامی علوم اور کتابوں کی تحقیق و تنقید کرنا شروع کر دیا اور اسی انتقامی فکر (جو قرون وسطیٰ میں مغرب میں عیسائی معاشرے پر چھایا رہا) کے ماحول میں جب عالم اسلام سیاسی، فوجی، اقتصادی اور ثقافتی حیثیت سے انحطاط کا سامنا کر رہا تھا تو مغرب میں اسلامی ممالک پر طاقت و قوت کے زور پر قبضے اور تسلط کی فکر پروان چڑھ رہی تھی، اور اہل مغرب نے اسلامی ملکوں پر یکے بعد دیگرے قبضہ کرنا شروع کر دیا تھا، ابھی بہت ہی کم اسلامی ملکوں پر اہل مغرب کا تسلط ہو پایا تھا کہ مذہب اسلام اور تاریخ اسلام پر اہل مغرب کی تحقیقات شروع ہو گئیں اور رفتہ رفتہ ترقی کرنے لگیں، اور یہ استشراتی علوم مغصوبہ اسلامی ممالک کے عوام کو اپنی سامراجی سیاست صحیح باور کرانے کے لیے دن بدن آگے بڑھتے رہے۔ اسلامی تراث پر اہل مغرب کی جو تحقیقات شروع ہوئی تھیں وہ دینی، تاریخی، اور تہذیبی و ثقافتی ہر زاویے سے گزشتہ صدی کے اختتام تک پایہ تکمیل کو پہنچ چکی ہیں۔ یہ ایک فطری بات ہے کہ

تحقیقات دو سبب سے حق تک رسائی سے محروم رہتی ہیں۔

(۱) حق تک رسائی میں پہلی رکاوٹ دینی تعصب ہے اگر کسی شخص کے اندر دینی تعصب پایا جاتا ہے تو وہ کسی بھی مذہب کی تحقیق میں حق تک نہیں پہنچ سکتا، ایسا ہی حال اہل مغرب کا ہے کہ مغرب کے حکمرانوں اور فوجی قائدین کے اندر دینی تعصب ہمیشہ راسخ رہا، دینی تعصب کا ہی اثر ہے کہ جب پہلی عالمی جنگ میں اتحادیوں کا لشکر بیت المقدس میں داخل ہوا تو لارڈ الینی "Lord Albini" نے ایک جملہ کہا تھا جو بہت مشہور ہے وہ یہ ہے "الآن انتهت الحروب الصلیبیۃ" ترجمہ: اب صلیبی جنگوں کا زمانہ ختم ہوا۔ لیکن صرف فوجی اعتبار سے، اور جہاں تک دینی تعصب کی بات ہے تو وہ اہل مغرب کے ذہن و دماغ میں ایسا راسخ ہوا کہ مذہب اسلام، اسلامی تہذیب و ثقافت، اسلام اور بانی اسلام کی انصاف پسندی اور دیانت داری پر عیسائی محققین نے جب بھی کچھ لکھا یا کوئی تجزیہ پیش کیا تو دینی تعصب کا اثر ان میں جگہ جگہ نمایاں رہا۔ اسلام اور بانی اسلام کی صداقت و حقانیت کے بارے میں اگر کچھ دیانتداری ملتی بھی ہے تو وہ ان مغربی محققین اور ادیبوں کی تحریروں میں ہے جو اپنے دین کے شکنجے سے آزاد ہو چکے تھے۔ "گوسٹاف لوبون" کی کتاب "حضارة العرب" سے اس کی ایک مثال بھی ملاحظہ کرتے چلیں تاکہ ہماری بات مزید برہن ہو جائے۔

"گوسٹاف لوبون" کی یہ کتاب ایک عظیم الشان کتاب ہے جو ایک مغربی مستشرق کے قلم سے اسلام اور اس کی عالمگیر ثقافت کی حقانیت واضح کرنے کے لیے

صادر ہوئی ہے۔

”گوسٹاف لوبون“ ایک فلسفی شخص تھا جو خدا کا منکر تھا، وہ کسی بھی مذہب پر ایمان نہیں رکھتا تھا، اس کے الحاد اور اسلام پسندی کی وجہ سے اہل مغرب اپنے علمی حلقوں میں اسے شایان شان عزت و اہمیت نہیں دیتے تھے۔

”گوسٹاف لوبون“ انیسویں صدی میں علماء تاریخ و اجتماع میں سے ایک بڑا عالم شمار کیا جاتا ہے، اس کے باوجود اہل مغرب خصوصاً فرانسیسیوں نے اس کو اپنے ظلم و ستم کا نشانہ بنایا صرف اور صرف ان اسباب کی وجہ سے جن کی طرف میں نے ابھی اشارہ کیا (یعنی الحاد اور اسلام پسندی)

(۲) حق تک پہنچنے میں دوسری چیز جو مانع ہے وہ مادی اور علمی قوت کا غرور و تکبر ہے، اور اہل مغرب دو صدیوں (اٹھارہویں اور انیسویں) میں سائنسی اور مادی ارتقاء کی چوٹی پر پہنچ چکے تھے۔ مغرب کے علماء و مؤرخین اور قلم کاروں کے ذہن و دماغ میں اسی وجہ سے اتنا غرور آ گیا کہ مصری تہذیب کے علاوہ تاریخ کی ساری تہذیب و ثقافت کا منبع اور اصل اپنے آپ کو سمجھ بیٹھے، اور یہ کہہ بیٹھے کہ ہماری ہی عقل صحیح غور و خوض کر سکتی ہے، اور بقیہ اقوام خصوصاً مسلم قوم تو فطری طور پر سیدھا سادھا سوچنے کی عادی ہے کچھ مستشرقین نے مسلم اذہان کو ”بسیطة“ اور ”ساذجة“ جیسے الفاظ سے متصف کیا ہے، اور مستشرق گب ”Gibb“ نے تو اپنی کتاب ”وجهة الإسلام“ میں مسلم ذہنیت کو لفظ ”ذریة“ سے تعبیر کیا ہے اور اس سے یہ مراد لیا ہے کہ اسلامی عقل کو معاملات کا علم جزئیات

کے واسطے سے ہوتا ہے اس کے پاس تو علم کلی کے ادراک کی صلاحیت ہی نہیں ہے۔

جن قوموں پر اہل مغرب کا استعمار تھا ان کی جہالت و تخلف اور تمام شعبہ زندگی میں ان کی پستی اور فکری انحطاط ان کی نظروں کے سامنے تھی اس لیے وہ تہذیب و ثقافت میں اپنی اصلیت اور سلامتی عقل و فکر کا دعویٰ کر بیٹھے۔

جب انیسویں صدی کے اوائل میں مغربی تہذیب و ثقافت سے ہمارا ملاپ ہوا، اور یہ تہذیب ہمارے درمیان پھیل گئی تو علماء شریعت کے علاوہ جو مہذب اور تعلیم یافتہ حضرات تھے انہیں پرانی کتابوں میں بے ترتیبی سے بکھرے ہوئے ہمارے علوم سے استفادہ کرنے کا کوئی ایسا ہموار اور منظم طریقہ نہیں ملا جو مستشرقین کی علمی کتابوں کی ترتیب و تنظیم کے مطابق ہو اور یہ سہولتیں ان کو مستشرقین کی کتابوں میں بدرجہ اتم ملتی تھیں کیوں کہ ان مستشرقین نے ہماری تہذیب و ثقافت کی تحقیق اور اپنے عام کتب خانوں میں اس کے مصادر و مراجع کی تتبع اور جستجو میں اپنی زندگیاں صرف کر دیں، یہاں تک کہ ان میں سے بعض نے تو ہماری ثقافت کے ایک ایک گوشے پر کتابیں تصنیف کرنے کے لیے بیسیوں سال لگا دیے، اور متقدمین علماء کی کتابوں سے قدیم مصادر جو بھی ان کے ہاتھ لگ سکتے تھے ان سب کو کھنگھال ڈالا۔

اہل مغرب کی یہ پیہم کوششیں جاری رہیں اور وہ اس کے لیے اپنے آپ کو وقف کرتے رہے۔ دینی اور سامراجی جذبے سے سرشار ہو کر انہوں نے ہماری تہذیب و ثقافت سے متعلق ایسی منظم اور مرتب کتابیں پیش کیں کہ ہماری قوم کے مہذب اور

مشفق حضرات کی آنکھیں خیرہ ہو گئیں، اور ان کتابوں نے ان کے دلوں پر اپنا قبضہ جمالیا، بالخصوص جب انہوں نے اہل مغرب کے طرز و اسلوب کا ہماری قدیم علمی کتابوں سے موازنہ کیا تو وہ مستشرقین کی کتابوں سے پورے انہماک سے استفادہ کرنے لگے۔ انہیں ان کا علم اور وسعت علمی بھا گیا، وہ یہ گمان کر بیٹھے کہ مستشرقین حق کے علاوہ کچھ نہیں کہتے ہیں اور انہوں نے جن امور میں ہم سے اختلاف کیا ہے ان میں ان کا فیصلہ زیادہ درست، رائج اور قابل حجت ہے۔ کیوں کہ وہ علمی اور تحقیقی طرز و اسلوب پر چلتے ہیں اور وہ اس سے سرمو بھی انحراف نہیں کرتے ہیں۔ جب لوگ مستشرقین کے بارے میں اس حسن ظن کے شکار ہوئے تو اہل مغرب کی تحقیقات اور ان کے آراء و افکار پر اعتماد کرنے لگے، ان مشفق حضرات کو اتنی بھی فرصت نہ مل سکی کہ ان اسلامی مصادر و مراجع کی طرف رجوع کر لیتے جن سے مستشرقین اور ان کے علاوہ مغربی محققین نے بھرپور استفادہ کیا ہے۔ رجوع نہ کرنے کی تین وجہ ہو سکتی ہے۔

(۱) ہمارے علمی مراجع کی طرف رجوع میں درپیش صعوبتیں۔

(۲) علمی تحقیقات کو منظر عام پر لانے کی جلد بازی۔

(۳) مشہور و معروف حقائق کے خلاف اپنی نئی تحقیقات لانے کی خواہش جو کہ

ہمارے علمی اور دینی حلقوں وغیرہ میں رائج ہے۔

ایک وقت ایسا بھی آیا تھا کہ ہماری اپنی کمی، کمزوری، اور اپنے آپ پر عدم اعتماد کا شعور مغربی محققین اور علماء کے بالمقابل حد سے تجاوز کر گیا تھا، ان کا احترام اور ان کی قدر و قیمت ہماری نظروں میں بہت زیادہ ہو چکی تھی، اور ہمارے دلوں میں ان کے

بارے میں خوش اعتقادی گھر کر چکی تھی۔ لیکن جب ہمارے سیاسی شعور کی تحریکیں شروع ہوئیں اور اہل مغرب کے چنگل سے ہمیں سیاسی آزادی حاصل ہونے لگی تو ہمارے اندر فکری آزادی کا جذبہ بیدار ہونے لگا، دوسروں کی فکر کے پابند رہنے کا خیال مٹنے لگا، اپنی ذات، تہذیب و ثقافت اور علمی تراش کی قدر و قیمت کا احساس دلوں میں لہریں مارنے لگا، اپنی اسلامی تراش اور عقائد و قوانین کی معرفت کے لیے مستشرقین کی تحقیقات پر تکیہ لگا کر بیٹھے رہنے کا موقف ہماری غیرت و حمیت کو جھنجھوڑنے لگا، اور شرمندگی کا احساس دلانے لگا، اور ہمارے مذہبی حلقوں وغیرہ میں خود اعتمادی اور بلند فکری کا شعور پروان چڑھنے لگا تو ہم نے مستشرقین کی تحقیقات اور ان کے ذہنی اور سامراجی اغراض و مقاصد کے پس پردہ اسرار و رموز کی حقیقت تک رسائی کے لیے تلاش و جستجو شروع کر دیا۔

ابھی تک ہم اسی منزل کی طرف گامزن ہیں اگرچہ یہ سلسلہ اب تک پایہ تکمیل کو نہیں پہنچ سکا ہے، اور ہمیں اپنی مکمل شخصی آزادی حاصل نہیں ہو سکی ہے، کیوں کہ اللہ رب العزت کی عادت کریمہ ہر چیز میں یوں ہی ہوتی ہے (یعنی اشیاء کی تکمیل عموماً بتدریج ہوتی ہے)

اللہ کے فضل سے ہم اس منزل کی طرف ضرور پہنچیں گے یہاں تک کہ ایک دن ایسا آئے گا کہ ہماری نسلیں حیرت و استعجاب میں ڈوب کر کہیں گی کہ ہمارے آباء و اجداد مستشرقین سے اس قدر فریب زدہ تھے؟۔

انشاء اللہ ایک دور ایسا آئے گا کہ ہم مغربی علوم، مغرب کے عقائد و مذاہب اور مغربی تہذیب و کلچر پر تحقیق و تنقید کرنے لگیں گے، اور ہماری آنے والی نسلیں مغربی

تہذیب و ثقافت اور عقائد و مذاہب پر تحقیق و تنقید کا وہی معیار اور پیمانہ اپنائیں گی جو پیمانہ اور معیار اہل مغرب نے ہماری تہذیب و ثقافت اور مذہبی علوم کی تنقید کے لیے اپنایا ہے، تو اس وقت ان کے علوم و عقائد میں اس سے کہیں زیادہ خامی اور کمزوری نظر آئے گی، جس کو کہ آج وہ تحقیق کے نام پر ہمارے علوم و عقائد کے ساتھ چسپاں کر رہے ہیں۔ آپ ذرا خود غور فرمائیں کہ اگر مسلمان بھی اہل مغرب کی مقدس کتابوں اور علمی تراث کی تنقید میں وہی معیار اپنالیں جو معیار کہ مستشرقین نے قرآن و حدیث کی تنقید کے لئے اپنایا ہے تو کیا ان کی کتابوں اور تاریخی علوم میں کوئی ثبات اور استحکام رہ جائے گا؟ نہیں ہرگز نہیں۔

آپ ذرا سنجیدگی اور متانت سے سوچیں کہ اگر مسلمان بھی مستقبل میں مستشرقین کے وضع کردہ علمی تنقید کا وہی پیمانہ استعمال کریں جنہیں مستشرقین آج ہماری تاریخ اور ہمارے ائمہ کرام کی تحقیق و تنقید کے لیے استعمال کر رہے ہیں اور انہیں اصولوں کی روشنی میں ان کی تہذیب و ثقافت، مقدسات، فاتحین اور ان کے رہنماؤں اور علماء کرام کا اگر تنقیدی جائزہ لیں تو کیا وہ شکوک و شبہات اور بدگمانی کا اس سے بدتر نتیجہ نہیں اخذ کریں گے؟ جتنا بدتر نتیجہ کہ آج مستشرقین ہماری تہذیب و ثقافت اور ہمارے علماء کے بارے میں اخذ کرتے ہیں۔ کیا ان کی یہ تہذیب و ثقافت بے جان، ناپائدار اور بوسیدہ نظر نہیں آئے گی؟ اور کیا اس کلچر کے پروردہ علماء، سیاستداں اور ادباء (جن میں احترام، اخلاق، فضیلت اور ضمیر نام کا دور دور تک نام و نشان نہیں ہے) بے

رونق اور پرمردہ نظر نہیں آئیں گے؟! ضرور بالضرور نظر آئیں گے۔

میری دلی خواہش ہے کہ میری قوم میں ایسے قلم کار پیدا ہوں جو اہل مغرب کے علماء کی تاریخ اور اس کی تہذیب و ثقافت پر قلم اٹھائیں تو وہی اسلوب اختیار کریں جو اسلوب کہ مستشرقین نے اختیار کیا ہے۔ مثلاً غلط روایتوں کو تلاش کرنا، عبارتوں کا من مانی مفہوم نکالنا، محاسن کو برائیوں کی شکل میں پیش کرنا اور مغرب کے اندر جو اچھائیاں ہیں ان کے بارے میں لوگوں کو بدظن کر دینا۔ اگر ہمارے قلم کار ایسا کر دیں تو ان کے علماء اور ان کی تہذیب و ثقافت کا ایسا مضحکہ خیز اور بدنما منظر سامنے آئے گا کہ جسے دوسروں سے پہلے وہ خود ناپسندیدہ سمجھیں گے۔

کاش کوئی شخص اس ذمہ داری کو قبول کرتا اور اہل مغرب نے تنقید کے جو پیمانے اپنائے ہیں وہ بھی وہی پیمانہ اپنا کر ان کے سامنے ان کے علوم و عقائد اور تہذیب و ثقافت کی اصلی صورت پیش کرتا، تاکہ مستشرقین اپنے سر کی آنکھوں سے مطالعہ کرتے اور اپنے ماتھے کی نگاہوں سے دیکھتے کہ وہ اسلوب و پیمانہ کس قدر ان کے لیے وبال جان بن گیا ہے۔ (جس کے بارے میں ان کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ اس اسلوب کو ہماری صحیح تاریخ و عقائد کی معرفت کے لیے استعمال کرتے ہیں) تو شاید وہ اس کے بعد عبارتوں کی تحریف و تبدیل سے باز آجائیں اور حقائق و معارف کا انہدام جو ان کا شیوہ رہا ہے اس پر شرمسار ہوں، ورنہ اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں ہے۔

میں مکمل یقین سے کہہ رہا ہوں کہ اب وہ دور چلا گیا جب ہم اپنے علوم و تاریخ

ان منصف مستشرقین کی ناقدری نہیں کریں گے جنہوں نے ہماری قدیم قیمتی کتابوں کی نشر و اشاعت میں بہترین کردار ادا کیا ہے اور تلاش حقیقت جن کا اوڑھنا بچھونا رہا ہے کیوں کہ علم کسی قوم کی اجارہ داری نہیں ہے۔ مذہب اسلام منزل من السماء ایک دین ہے جو سارے عالم کے لیے بھیجا گیا ہے اس کے فہم و ادراک کے تعلق سے کسی قوم کو دوسری قوم پر ترجیح نہیں دی جاسکتی ہے ہر شخص کو اس کے سمجھنے کا اختیار ہے، جتنا چاہے سمجھے کوئی ممانعت نہیں ہے، فقط شرط یہ ہے کہ وہ زیور علم سے آراستہ ہو اور صفت علماء سے متصف ہو۔ انصاف پسندی حق گوئی، خلوص ولہیت اور خواہشات و تعصب سے نفس کی پاکیزگی ہی صفت علماء ہے۔

نور الحسن خان ازہری

قاہرہ، مصر

موبائل: 0020107778639

ای میل: m\_noorulhasan@yahoo.com

کی معرفت کے لیے اہل مغرب کے مراجع پر اعتماد کرتے تھے، حالاں کہ ان کے پاس ہماری کتابوں اور تاریخ کے علاوہ ایک بھی مرجع نہیں تھا، اگرچہ ہم ماضی میں اس سے نا آشنا تھے۔ اب وہ وقت آچکا ہے کہ ہم اپنے مصادر سے جہالت کا حجاب اٹھا پھینکیں۔ یہ بات تو نہایت ہی باعث شرم و عار ہے کہ ہم اپنے مصادر، عقائد اور علماء کی معرفت کے لیے اہل مغرب کا سہارا لیں جیسا کہ مستشرقین چاہتے ہیں کہ ہمارا اعتقاد ہمارے دین اور ہمارے علماء کے بارے میں شکوک و شبہات اور بدگمانی سے آمیز ہو۔ اب وقت آ گیا ہے کہ ہم مستشرقین کی تحقیقات کا سہارا چھوڑ دیں کیوں کہ اب ہم اپنے مدفون علمی خزانے شائع کر چکے ہیں، ان پر پڑے ہوئے غبار کو جھاڑ چکے ہیں، اب ہمارے دل پاکیزہ شعور سے لبریز ہو چکے ہیں اور ہمارے اندر آزادی کا جذبہ موجزن ہو چکا ہے۔

اتنی ساری تفصیل کے بعد بھی اب اگر کوئی ہمارے علوم کے بارے میں مستشرقین کے افکار و نظریات پر حسن ظن رکھتا ہے تو اسے میری کتاب ”السنة ومكانتها في التشريع الإسلامي“ کا مطالعہ کرنا چاہیے جس میں میں نے مستشرقین کے افکار و خیالات پر بہت تفصیلی بحث کی ہے اس کے علاوہ بھی دیگر کتابیں ہیں جو مستشرقین کی عیاریوں اور چال بازیوں کو بے نقاب کرتی ہیں جن کے مطالعے سے ان کی حقیقت منکشف ہو جائے گی اور ان کا صحیح چہرہ سامنے آجائے گا۔

اگر ہم گولڈ زیہر "Gold zihar" وغیرہ متعصب مستشرقین، تحریف کرنے والے اور گمراہ گر کے ساتھ اس طرح کا سخت رویہ اختیار کرتے ہیں تو ہم ان کے علاوہ

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

# استشراق اور مستشرقین

ایک تاریخی و تنقیدی مطالعہ

مؤلف

ڈاکٹر مصطفیٰ احسنی سباعی

مترجم

نور الحسن خان ازہری

نام کتاب :	استشراق اور مستشرقین ایک تاریخی و تنقیدی مطالعہ
تالیف :	ڈاکٹر مصطفیٰ احسنی سباعی
تقدیم :	ڈاکٹر ابراہیم محمد ابراہیم، ازہریونیورسٹی، قاہرہ، مصر
ترجمہ :	نور الحسن خان ازہری
پروف ریڈنگ :	ارشاد احمد برکاتی
باہتمام :	علامہ عبدالستار ہمدانی ”مصرف“ برکاتی نوری
کمپوزنگ :	ساجد حسن شاہد
طباعت اول :	۲۰۰۸ء
تعداد :	۱۱۰۰

File  
F:\shahid\General\New  
CLIPS\Star\CLIP05\BRDR2  
not found.

- ☆ کتب خانہ امجدیہ، ٹیماکل، جامع مسجد، دہلی ۶
- ☆ کتب خانہ فاروقیہ، ٹیماکل، جامع مسجد، دہلی ۶
- ☆ رضا کیڈمی، ممبئی

File  
shahid\General\  
S\Star\CLIP05\B  
not found.

مرکز اہل سنت برکات رضا، امام احمد رضا روڈ، پور بندر، گجرات، انڈیا





## فہرست مضامین

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
۱	شرف انتساب	۳
۲	مقدمہ ڈاکٹر ابراہیم محمد ابراہیم، از ہر یونیورسٹی، مصر	۴
۳	مقدمہ مترجم	۹
۴	مؤلف ایک نظر میں	۱۱
۵	استشراق اور مستشرقین	۲۳
۶	تاریخ استشراق	۳۴
۷	میدان استشراق	۳۶
۸	استشراق کے اسباب	۳۷
۹	دینی اسباب	۳۷
۱۰	سامراجی اسباب	۳۹
۱۱	تجارتی اسباب	۴۰
۱۲	سیاسی اسباب	۴۱
۱۳	علمی اسباب	۴۲
۱۴	استشراق کے اغراض و مقاصد	۴۳

۱۵	پرفریب علمی مقصد	۴۳
۱۶	دینی اور سیاسی اغراض و مقاصد	۴۸
۱۷	خالص علمی اغراض و مقاصد	۵۰
۱۸	اغراض و مقاصد کی تکمیل کے لیے مستشرقین کے اسباب و وسائل	۵۳
۱۹	مستشرقین کے اہم اخبارات و رسائل	۵۶
۲۰	عصر حاضر کے متشدد مستشرقین اور ان کی اہم کتابوں کے اسماء	۵۸
۲۱	چند زہر آلود کتابوں کے اسماء جو بعض حضرات کے نزدیک علمی حیثیت کی حامل ہیں	۶۹
۲۲	اسلام اور عرب کے موضوع پر مستشرقین کی کتابیں	۷۰
۲۳	مستشرقین کے نزدیک تحقیق کے پیمانے	۷۵
۲۴	یورپ میں مستشرقین سے آمناسا منا	۸۸
۲۵	خلاصہ کلام (مستشرقین کے بارے میں چند اختتامی کلمات)	۱۰۳